بخاری کی روایات

کے چند نمونے

انتساب

اس کتاب کا انتساب بیسویں صدی کے سب سے عظیم قرآنی سکالر جناب غلام احمد پرویز مرحوم کے نام ہے۔ جنہوں نے مجھ جیسے ہزاروں لوگوں کو قرآن کریم سمجھنے کا صحیح انداز سمجھایا۔ جس کے نتیجہ میں قرآنی تعلیمات پر فرسودہ روایات کے پڑے ہوئے پردے ہٹ گئے اور حقائق نکھر کر سامنے آ گئے۔ مجھے دہریت کی اس تاریک وادی سے نکلنے میں مددگار ثابت ہوئے جہاں مجھے مذہب لے جا رہا تھا۔

پیش لفظ

احادیث اور روایات کے بارے میں مختلف مکاتب فکر میں بے حد اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اکثر مذہبی رہنما اس طرح کے اختلافی امکان کو یکسر رد کر دیتے ہیں لیکن حقیقت اپنی جگہ اٹل ہوتی ہے۔ اگر اختلافات نہ ہوتے تو ہر فرقہ کی مسجد علیحدہ نہ ہوتی۔

جب بھی کوئی شخص احادیث کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کرتا ہے کہ احادیث دین کی بنیاد نہیں بن سکتیں یا یہ کہ انکی نسبت رسول اللہ ﷺ سے کرنا صحیح نہیں تو تمام فرقے یک زبان ہو کر اسے منکر حدیث اور کافر جیسے خطابات سے نوازتے ہیں۔ نہ معلوم انہیں ایسا کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں کفر اور ایمان کے بارے میں معیار مقرر کر رکھا ہے۔ اس نے یہ اختیار کسی شخص کو نہیں دیا کہ وہ دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرتا پھرے۔ قرآن کریم کے مطابق قائم ہونے والی مملکت کو ہی صرف ایسا اختیار ہے کہ وہ تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور متعلقہ شخص کے اقوال سننے کے بعد فیصلہ کرے آیا اسے مسلم تسلیم کیا جائے گا یا نہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر احادیث کو جمع کرنے اور مجموعوں میں شامل کرتے وقت اچھی طرح چھان بین کر لی گئی تھی تو پھر اختلافات کیوں پیدا ہوئے۔ دراصل اس بارے میں تمام دعاوی کی قلعی اس وقت کھل جاتی ہے جب یہ مذہبی رہنما ایک دوسرے کی پیش کردہ احادیث کو رد کرتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں حدیث ضعیف ہے اور فلاں حدیث کا راوی جھوٹا ہے اور فلاں شخص کی روایت قابل قبول نہیں۔ چاہے وہ احادیث صحاح ستہ ہی میں شامل کیوں نہ ہوں۔ میری اس کتاب کا دائرہ صرف صحیح بخاری تک ہے۔ اس میں ایک دلچسپ بات سامنے آئی کہ اس کتاب کو قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب کہا گیا ہے۔ لیکن مترجمین نے جو غالباً حنفی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کی احادیث پر اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

''امام شافعی کے نزدیک خون بہہ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر حنفیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ دلائل حنفیہ کے ان کی کتابوں میں ہیں (جو ظاہر ہے صحت کے لحاظ سے بخاری سے تو کم درجہ پر ہوں گی۔ راقم)۔ امام بخاری کا مقصد ان آثار کے نقل کرنے سے دلائل حنفیہ پر رد کرنا ہے حالانکہ حنفیہ کے پاس بھی ایسے آثار و احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں وضو جاتا رہتا ہے۔''

اس طرح جو صورت حال سامنے آتی ہے کہ آج کل کے مذہبی رہنماؤں کے نزدیک معیار نہ تو کتاب اللہ ہے اور نہ ہی روایات کیونکہ یہ صرف انہی روایات کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے مطابق ہوں اور رہا مسلک کا سوال تو یہ بھی مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر امام ابو حنیفہ روایات پر انحصار کرنے کے حق میں نہ تھے لیکن آج کل کے حنفی حضرات ایسا نہیں کرتے۔ درحقیقت مذہبی رہنما جو کہہ دیں انکے متبعین اسی کو صحیح اور حرف آخر سمجھتے ہیں۔

عام آدمی تو شاذ و نادر ہی روایات کے کسی مجموعے کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس لیے تحقیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ مذہبی رہنماؤں کے دعاوی کو صحیح تسلیم کر لیتا ہے کہ احادیث فی الواقع اقوال رسول ﷺ ہیں۔ لیکن خود علماء کی اکثریت نے بھی ان مجموعوں کا مطالعہ نہیں کیا ہوتا گویا وہ ایک ایسے موضوع کی حمایت اور دفاع کرتے ہیں جس سے وہ لاعلم ہیں۔ اکثر جب انکے سامنے کوئی قابل اعتراض روایت پیش کی جاتی ہے تو وہ سرے سے اسکا انکار کر دیتے ہیں کہ ایسی کوئی روایت ہو سکتی ہے اور جب انہیں بخاری میں درج شدہ روایت دکھائی جائے تو اپنے موقف میں تبدیلی کی بجائے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں یا اس کے باوجود

اپنی موقف کو صحیح سمجھتے ہیں۔ علمی اور منطقی بنیادوں پر ایسی ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔

بخاری کو احادیث کا صحیح ترین مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ میں نے اس مجموعہ کی تمام احادیث کو مختلف انواع میں تقسیم کیا ہے۔ ہر نوع کے تحت آنے والی احادیث کی تعداد بھی لکھ دی ہے۔ اور انکی چند مثالیں بھی پیش کی ہیں تا کہ عام قاری کو یہ اندازہ ہو جائے کہ اس مجموعہ میں دراصل ہے کیا؟

میں نے پوری کوشش کی ہے کہ تمام حوالہ جات بالکل صحیح طور پر نقل کروں تا کہ کہیں بھی سیاق وسباق سے ہٹ کر کوئی بات سامنے نہ آئے۔ میری یہ کوشش سہو وخطا سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص علمی بنیادوں پر میری تصحیح کرے گا تو میں اسکا نہایت شکر گزار ہوں گا۔

آصف جلیل

دین کی اساس:

ہمارے ہاں 'کتاب وسنت' کی اصطلاح اتنی کثرت سے استعمال کی جاتی ہے جیسے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہو لیکن یہ امر آپ کے لیے باعث حیرت ہوگا کہ اس اصطلاح کے آخری حصہ کا کوئی متفق علیہ مفہوم ہی نہیں ہے۔

کتاب سے مراد قرآن کریم لیا جاتا ہے۔اور یہ کتاب کم ازکم تمام سنی حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہے۔اس کتاب پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔آپ کسی سے بھی کہیں کہ مجھے قرآن کریم کا نسخہ چاہیے وہ فوراً کوئی سوال کیے بغیر آپکو قرآن کریم لاکر دے دے گا۔لیکن جب آپ کسی سے کہیں گے کہ مجھے سنت کی کتاب چاہیے تو وہ سمجھ ہی نہ پائے گا۔اور متعدد سوال کرے گا کہ صاحب! کس کی لکھی ہوئی؟ کس نام سے چھپی ہے؟ کس نے اسے شائع کیا ہے؟ وغیرہ...... گویا سنت کی اصطلاح وضاحت طلب ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس چیز کا مفہوم ہی واضح نہ ہو کیا اسے معیار یا پیمانہ بنایا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز ممکن نہیں۔اگر مختلف افراد کے نزدیک ایک ہی نام کے پیمانے مختلف ہوں تو صورت حال کتنی پیچیدہ ہو جائے گی۔مثال کے طور پر آپ بازار سے کپڑا خریدنے جاتے ہیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر دوکاندار کے پاس مختلف سائز کا گز ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کا اصرار ہے کہ اصل گز وہی ہے جو اسکے پاس ہے۔ کس کی بات صحیح ہے اسے جاننے کیلئے ایک اسٹینڈرڈ گز حکومت کے متعلقہ محکمے کے پاس ہو گا جس سے ناپ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ کس دوکاندار کا گز صحیح ہے؟ لیکن اگر کسی بھی طریقے سے یہ معلوم نہ ہو سکتا ہو کہ کونسا گز صحیح ہے تو پھر فیصلہ کیسے ہو گا؟

یہی حال سنت کی اصطلاح کا ہے۔ہر فرقہ کی سنت دوسرے سے مختلف ہے اور ہر ایک کا اصرار ہے کہ وہ صحیح ہے اور دوسرے غلط۔اسی بنیاد پر مختلف مساجد اور مدارس قائم ہوئے۔اب تو آئین کی رو سے ان فرقوں کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور انہیں اپنی اپنی فقہ پر عمل کرنے کی اجازت دے دی ہے۔اب اگر دو ایسے افراد میں تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے۔جو مختلف فقہ سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر فیصلہ کس کی فقہ کے مطابق ہو گا؟

قرآن وسنت کی اصطلاح پر اصرار کرنے سے ذہن میں متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا صرف قرآن کریم معیار نہیں بن سکتا؟
۲۔ اگر نہیں بن سکتا تو کیوں؟
۳۔ اگر قرآن کریم کے ساتھ سنت ضروری ہے تو کیا وہ قرآن کریم سے مختلف ہے؟
۴۔ اگر قرآن کریم سے مختلف ہے تو وہ کونسی سنت ہے جو سب فرقوں کے لیے قابل قبول ہو؟

یہ سوالات میں نے متعدد افراد سے کیے جو عالم دین ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ملک کے مشہور مذہبی سکالروں سے خط و کتابت بھی کی لیکن بڑے لوگ تو جواب دینا گوارا نہیں کرتے۔کسی کا جواب آیا بھی تو وہ غیر منطقی تھا۔اس موضوع پر کچھ کتب کا بھی مطالعہ کیا لیکن ان سوالوں کا جواب کسی میں نہ تھا۔ان جوابات کا لب لباب پیش کیا جائے تو وہ یہ ہو گا کہ سنت رسول اللہ کے قول یا عمل کو کہا جاتا ہے۔احادیث کے مجموعوں میں سنت رسول ہی بیان ہوئی ہے۔اس جواب نے مجھے ہرگز مطمئن نہیں کیا۔

شیعہ حضرات تو ان مجموعوں کو مستند مانتے ہی نہیں ہیں اس لئے ان کے مجموعے الگ ہیں ۔ اور سنیوں میں ایک فرقہ کی سنت دوسرے سے مختلف ہے اگر کوئی اس امر واقع کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر اتنا ہی بتا دے کہ ہر فرقہ کی مسجد علیحدہ کیوں ہے؟ ان میں رسول اللہ ﷺ کا تعلق کس سے تھا؟ کیونکہ انکے زمانے میں ایک ہی طریقے سے نماز ادا ہوتی تھی ۔

دین کی بنیاد صرف اور صرف قرآن کریم ہی پر ہو سکتی ہے وہی صحیح اور غلط کا معیار ہے ۔ اسی سے اختلافات مٹ سکتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا اور اسی عمل کو سنت نبوی ﷺ جائے گا جو قرآن کریم کے مطابق ہو ۔ ہمارے مذہبی رہنما قرآن کریم کو معیار اس لیے نہیں مانتے کہ ایسا کرنے سے تمام فرقوں کے وجود کا جواز نہیں رہتا اور اس طرح انکے مفادات پر زد پڑتی ہے ۔

یہ امر باعث افسوس ہے کہ فرقہ بندی کو فروغ دینے کے لیے قرآن کریم کی صریحاً خلاف ورزی کی جاتی ہے ۔ فرقہ بندی کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ط وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ☆ (ال عمران ـ ۱۰۵)
تم ان لوگوں کے جیسے مت ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور واضح ہدایت آنے کے باوجود اختلافات میں مبتلا ہو گئے ۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ط (الانعام ـ ۱۵۹)
جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکرے ٹکرے کر دیا اور گروہوں میں بٹ گئے ۔ (اے رسولؐ) تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

اسی طرح اور بھی خلاف قرآن باتیں کی جاتی ہیں ۔ مثلاً یہ کہ قرآن کریم میں بہت سی باتوں کا ذکر نہیں جو ہمیں احادیث سے ملتی ہیں ۔ گویا وہ اسے نامکمل سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالی نے کہا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (الانعام ۱۱۵)
اور تمہارے رب کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے ۔ کوئی اسکے فرامین کو بدلنے والا نہیں ۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جو احکام آئے ہیں انکی تفصیل نہیں دی گئی اور وہ ہمیں کتب روایات میں ملتی ہے ۔ یہ تصور بھی قرآن کریم کے بیان کے خلاف جاتا ہے ۔
أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ط (الانعام ۱۱۴)
کیا میں اللہ کے سوا کوئی فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے ۔

الٓر ـ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ☆ (هود ـ ۱)
ال ر ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم بنیادوں پر استوار ہیں اور پھر انکی تفصیل بیان کی اس خدا نے جو حکیم بھی اور باخبر بھی ہے ۔

قرآن کریم میں صرف ان امور کی تفاصیل آئی ہیں جو قیامت تک غیر متبدل ہیں۔ ورنہ عام طور پر اس میں صرف بنیادی اصول بیان کیے ہیں۔ جن کی جزئیات انسان وقت کے تقاضوں کے مطابق طے کر سکتے ہیں۔ ان اصولوں کو حدود اللہ کہا گیا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے ہم ان پر عمل کرنے کا طریقہ وضع کر سکتے ہیں۔ یہ کام اس اسلامی مملکت کا ہے جو قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق قائم ہو۔ مثال کے طور پر اگر قرآن کریم میں یہ نہیں آیا کہ زکوۃ کی شرح کتنی ہے تو صرف اس لیے کہ اگر کوئی ثابت شرح دے دی جاتی تو وہ زمانے کا ساتھ نہ دے سکتی تھی اور لوگ کہتے کہ آج اسلام پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ ڈھائی فیصد کی جو شرح حدیث میں بیان کی جاتی ہے وہ آج ناکافی ہے۔ یہ شرح تو سرمایہ داری کو فروغ دینے کے لیے ملوکیت کے دور میں مقرر گئی تھی تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کر سکیں حالانکہ قرآن کریم میں تو مال جمع کرنے سے بھی سختی سے منع کیا ہے۔ اسی طرح زکوۃ کن اشیاء پر دی جائے گی انکا تعلق بھی اسی دور سے تھا۔ اس وقت مویشیوں پر زکوۃ تھی کہ یہ اثاثے جمع کرنے کی صورت تھی۔ آج اثاثے کسی اور شکل میں ہیں۔ اسی طرح جب سونے اور چاندی کا نصاب مقرر کیا گیا ہو گا اسوقت انکی مالیت میں اتنافرق نہیں ہوگا جیسا کہ آج ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ دس تولے سونے کی قیمت تقریباً پچاس ہزار ہے اور چالیس تولے چاندی کی قیمت پانچ ہزار سے تجاوز نہیں کرتی تو اگر تیرہ سو سال پرانا نصاب لیا جائے تو کیسی مضحکہ خیز صورت حال بنے گی کہ انچاس ہزار روپے کا سونا رکھنے والے پر تو زکوۃ نہیں لیکن پانچ ہزار روپے کی چاندی رکھنے والے پر زکاۃ عائد ہو گی۔

ایسی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بارہ تیرہ سو سال قبل بنائے گئے قوانین آج ناممکن العمل ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے ایسی جزئیات خود مقرر نہیں کیں بلکہ انہیں ہر دور کے انسانوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ (جو قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم کریں)

ہمارے ہاں فقہ کے جو اصول پائے جاتے ہیں وہ ان لوگوں نے مرتب کیے جو لوگ مملکت میں نہیں تھے۔ یہ دور ملوکیت کا تھا جس میں حکومت غیر قرآنی بنیادوں پر قائم تھی اور اگر انہوں نے کچھ فقہی قوانین نافذ بھی کیے تو وہ صرف ایسے تھے جو انکی بادشاہت کے لئے خطرہ نہ ہوں بلکہ بہت سے غیر قرآنی احکام کو اسلامی قرار دے دیا گیا۔ آج ان فقہی قوانین کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اکثر قرآنی اصولوں کے خلاف ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن کریم کی روشنی میں ان کو پرکھ کر مسترد یا قبول کیا جاتا لیکن یہ بات باعث حیرت ہے کہ انہیں صحیح ثابت کرنے کے لیے ان کا تعلق احادیث اور سنت نبوی ﷺ سے جوڑ دیا۔ یہ قوانین یا احکام زیادہ تر روزمرہ کی زندگی کے بارے میں ہیں امور مملکت یا معاشی نظام سے انکا کوئی تعلق نہیں۔ کچھ جرائم کی سزائیں بیان کر دی گئی ہیں جو قرآن کریم سے مختلف ہیں۔ ان سے کسی مملکت کے امور چل ہی نہیں سکتے لیکن چونکہ ان میں مذہبی لیڈروں کی بقا اور معاش کا راز پنہاں ہے اس لیے انہیں نہایت مقدس بنا کر دن رات انکا راگ الاپا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ رسول کریم ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہوگا کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف جاتا ہے تو تمام مذہبی لیڈر مل کر اس کے خلاف فتوے صادر کر دیتے ہیں کہ یہ منکر حدیث ہے۔ کافر ہے۔ حالانکہ یہ تو قرآن کریم کی شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی قرآن کریم کے مطابق عمل کرتے تھے لہذا جو کوئی بھی ایسے کسی عمل کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے کرتا ہے جو خلاف قرآن ہو تو وہ درحقیقت انکی ذات مبارک (ﷺ) پر بہتان لگاتا ہے۔ اور وہی قابل مذمت ہے۔

احادیث کے مجموعے عام انسانوں نے جمع کیے تھے۔ انہیں کس نے حق دیا تھا کہ وہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ کونسا عمل رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ کیا وہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ سے افضل تھے کہ ثابت کرتے پھریں، رسول اللہ کا عمل کیا تھا؟۔ وہ قرآن

کریم کو معیار بناتے تو کم ازکم ایسا تو نہ ہوتا کہ غیر قرآنی اعمال کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے کر دی جاتی۔ روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے راویوں۔ اسماء الرجال اور بڑی چھان پھٹک کی بات کی جاتی ہے۔ یہ ایک بہت دلفریب دھوکہ ہے جسے آج ثابت کیا ہی نہیں جا سکتا کہ کیا واقعی فلاں صحابیؓ نے ایسا کوئی واقعہ بیان کیا بھی تھا کہ نہیں۔ چاہے ایک روایت متعدد صحابیوںؓ کے نام سے ہی کیوں نہ ہمارے سامنے آئی ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ فیصلہ بخاری مسلم ترمذی ابن ماجہ نسائی وغیرہ کا ہی تو ہے کہ فلاں روایت کو ہم حدیث نبوی کہیں گے اور فلاں کو مسترد کریں گے۔ گویا کوئی روایت رسول اللہ کا قول ہے یا نہیں اسکا حتمی فیصلہ تو ان اصحاب نے کیا جس کے لیے ان کو کوئی اختیار نہیں تھا۔

جب کوئی شخص کسی حدیث کو مسترد کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں مانتا بلکہ اس لیے کہ جس بات کو رسول اللہ سے منسوب کیا جا رہا ہے وہ انکی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ قرآن کریم کے اصول کے خلاف ہے۔ ایسا کہنے اور کرنے والے کی تائید کرنی چاہیے بجائے اس کے کہ اس پر فتوے لگائے جائیں۔ اگر کسی کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ ﷺ خلاف قرآن عمل کرتے تھے (جیسا کہ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے) تو اسے شاباش نہیں دیتے تو نہ دیں لیکن فتویٰ لگا کر خدا نہ بن بیٹھیں۔ کسی کے ایمان کے بارے میں صحیح فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہی کر سکتا ہے۔

ان احادیث وروایات کو اس قدر مقدس بنا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ان خلاف کچھ کہے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کے اقوال کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے کسی قول کو ماننے سے انکار کرے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی وہ گوارا نہیں کرے گا کہ کوئی بھی اٹھ کر کہہ دے کہ یہ حدیث نبویؐ ہے تو اسے بلا تحقیق مان لے۔

ان روایات واحادیث کے بارے میں حیران کن بات یہ ہے کہ انکے جمع کرنے والے تمام کے تمام غیر عرب یعنی فارسی ہیں۔ یہی حال ابتدائی کتب تفاسیر و تاریخ کا ہے۔ اسے محض اتفاق ماننا بہت مشکل ہے۔ مدینہ میں نہایت جلیل القدر صحابیؓ موجود تھے اور خلفائے راشدین بھی چاہتے تو احادیث کے مجموعے مرتب کروا کر مسلمانوں میں تقسیم کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کتب تاریخ (جنہیں ہمارے مذہبی رہنما مستند سمجھتے ہیں) میں یہ واقعات بھی آئے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں احادیث کو جمع کرنے سے منع فرمایا اور جن لوگوں نے انہیں جمع کیا ان سے کہا کہ وہ انہیں تلف کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے امت کو اپنے اقوال کا کوئی مجموعہ نہیں دیا جس طرح انہوں نے امت کو قرآن کریم تحریر کروانے اور مرتب کرانے کے بعد دیا۔ ویسے روایت پسند لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔ اس سے چاہے قرآن کریم کی حیثیت مشکوک ہو جائے لیکن روایات کی اہمیت تو ظاہر ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ "اگر روایات کو نہیں مانتے تو قرآن کریم کو کیوں مانتے ہو جبکہ وہ بھی اسی طرح جمع ہوا ہے جیسے کہ احادیث" حالانکہ قرآن کریم ہی سے شہادت ملتی ہے کہ اسے لکھا گیا ہے اور اسی نے ایک ایسا معیار دے دیا جو اللہ کے کلام کو پرکھ سکے۔ یعنی اس میں تضاد نہیں پاؤ گے۔

یہاں ایک اور اہم دعویٰ کی تردید بھی ہو جاتی ہے جس کو منوانے پر اہل حدیث کے علماء ایڑی چوٹی زور لگاتے ہیں اور وہ یہ کہ احادیث قرآن کریم کی طرح وحی ہیں۔ اسطرح وحی کو دو انواع میں تقسیم کر دیا جاتا ہے: وحی متلو اور وحی غیر متلو یا وحی جلی اور وحی خفی۔ اسطرح انہوں نے احادیث سے عقیدت کی انتہا کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ظاہر ہے اگر احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی ملی ہوتیں تو وہ بھی اسی معیار پر پوری اترتیں جس پر قرآن کریم ہے اگرچہ روایات کو پرکھنے کے لیے قرآن کریم کا وجود تو ہے لیکن وحی غیر متلو کسے کہیں گے؟ وہ اپنی مکمل شکل میں کہاں ہے؟ ان سوالات کا جواب علمائے اہل حدیث کے پاس نہیں ہے۔ میں نے ماہنامہ محدث کے مدیر کے نام رجسٹرڈ خط میں یہ سوال اٹھائے تھے

لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا کیونکہ دراصل انکا جواب سرے سے بن ہی نہیں سکتا کیونکہ جس چیز کا وجود ہی نہ ہو اسکے بارے میں آپ رٹ تو لگا سکتے ہیں لیکن اسکا ثبوت نہیں دے سکتے۔

ایک اور غور طلب بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وقت لکھنا پڑھنا اتنا عام نہیں تھا تو حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں یہ صورت حال نہ تھی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گورنروں کو ہدایات لکھ کر ارسال کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کاروبار حکومت کا بہت سا تحریری ریکارڈ بھی تھا اور ظاہر ہے یہ سلسلہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور تک جاری رہا ہوگا۔ اس ریکارڈ سے اسلامی مملکت کے خدوخال واضح طور پر سامنے آسکتے تھے لیکن ایسے کسی ریکارڈ کا نام ونشان آج باقی نہیں رہا جو اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تو ایسے شواہد کو چھپانے میں حکمرانوں کا فائدہ تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کے ان اقوال کو بھی سامنے نہیں آنے دیا گیا ہوگا جو بادشاہوں کے خلاف جاتے تھے۔ اس کے برعکس ان احادیث و روایات کو خوب پذیرائی دی گئی جو زیادہ تر گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ان میں جو اقوال رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیے گئے ہیں وہ یا تو خلاف قرآن ہیں یا آج کے دور میں انکی کوئی اہمیت نہیں رہی۔

احادیث کا ایک اور پہلو ہے جو متنازع چلا آرہا ہے۔ وہ یہ کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال واعمال ہمارے لیے بطور حکم ہیں جن کا ماننا ہمارے لیے واجب ہے؟ یا کچھ اعمال انہوں نے ذاتی حیثیت سے کیے ہیں اور ہمارے لیے ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس بات کو عمومی طور پر سب تسلیم کرتے ہیں کہ انکے (ﷺ) تمام اعمال کی پیروی کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ جیسے نماز اور وضو میں جن امور کو سنت کہا جاتا ہے انکے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے ان پر عمل کرلیں تو ٹھیک ہے اور اگر نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔ مثال کے طور پر ہر نماز سے پہلے اور بعد میں پڑھی جانے والی رکعات۔ لیکن متنازع بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے کونسے عمل کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور کونسا عمل ضروری ہے۔ اس کے لیے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے اور اسی لیے کوئی مذہبی عالم متشدد ہوتا ہے اور کوئی نرم۔ مثال کے طور پر مسواک کو لے لیجیے۔ بعض حضرات کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمیں صرف مسواک ہی کرنی چاہیے ٹوتھ برش کا استعمال خلاف سنت ہے اور ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔ یہی حضرات رسول اللہ ﷺ کی اکثر سنتوں پر نہ عمل کرتے اور نہ اصرار کرتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں بہت کم گوشت کھایا ہے یا یہ کہ وہ چٹائی پر سوتے تھے یا یہ کہ وہ اونٹ پر سفر کرتے تھے اور سب سے اہم کہ وہ سونے سے پہلے گھر میں جو بھی مال ہوتا تھا اللہ کی راہ میں خرچ کردیتے تھے۔

بہت سے مذہبی لیڈران سنتوں پر بے حد اصرار کرتے ہیں جن میں ہینگ لگے نہ پھٹکری۔ مثلاً داڑھی رکھنا مسواک کرنا ٹخنوں سے اونچے کپڑے پہننا لیکن کھانا کھانے اور مال خرچ کرنے سے متعلق روایات پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک اور سوال جس کا جواب ان حضرات کے پاس نہیں ہوتا وہ یہی کہ آپ کس بنیاد پر داڑھی رکھنے کو اہم قرار دیتے ہیں لیکن چٹائی پر سونے کو نہیں۔ یہاں بھی مسئلہ مذہبی رہنماؤں کی بقاء کا ہے کہ بس ہم ہی اہل دین ہیں ہم اسلام کو بہتر سمجھتے ہیں اور ہماری باتوں پر بلا چوں چراں عمل کریں۔ ان امور کا تعلق انسانوں کی شخصی زندگیوں سے ہے اسلام ان میں مداخلت نہیں کرتا۔ میرے داڑھی رکھنے اور نہ رکھنے سے کسی دوسرے شخص کی ذات پر اچھا یا برا اثر نہیں پڑتا۔

اس بحث کا مقصد ان دلائل کا جواب دینا ہے جو عام طور پر مروجہ سنت کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں۔ حاصل بحث یہی ہے کہ معیار صرف قرآن کریم ہو سکتا ہے اور سنت رسول ﷺ قرآن کریم سے مختلف نہیں البتہ جسے مذہبی رہنما سنت کہتے ہیں وہ معیار اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس کا مفہوم ہر ایک کے نزدیک مختلف ہے اور سنت کی کوئی متفق علیہ کتاب موجود نہیں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔

صحیح بخاری

چونکہ عام طور پر احادیث کو سنت نبوی ﷺ کا ماخذ سمجھا جاتا ہے اور کتب احادیث میں صحیح بخاری کو سب سے زیادہ مستند کتاب گردنا جاتا ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ حنفی حضرات اسکی بہت سی احادیث کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود ان پر عمل نہیں کرتے) میں نے یہ جائزہ لینے کے لیے کہ کیا یہ کتاب سنت کا معیار بن سکتی ہے؟ اسکا گہرا مطالعہ کیا تو میرے سامنے بہت سی باتیں آئیں جنہیں ہمارے مذہبی رہنما یا تو جانتے نہیں یا جان بوجھ کر چھپا جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر احادیث کی اہمیت بیان کرنے کے لیے ایک دلیل دی جاتی ہے جو بظاہر بہت وزنی لگتی ہے اور وہ یہ کہ اگر احادیث کو نہ مانیں تو پھر نماز پڑھنے کا طریقہ کہاں سے ملے گا۔ اگرچہ اس بارے میں پہلے ذکر آچکا ہے کہ جن امور کی تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی انکی جزئیات طے کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر چھوڑا ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق طے کر لی جائیں۔ میں اسے پھر دہرا دوں کہ اسکا اختیار انفرادی طور پر کسی شخص کو نہیں ہے۔ قرآنی کریم کی بنیاد پر قائم ہونے والی مملکت کے افراد اسے مشاورت کی رو سے طے کریں گے۔ ایک لمحہ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ نماز کی تفصیل احادیث سے ملتی ہے تو کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ صحیح بخاری میں نماز پڑھنے کا طریقہ بیان نہیں ہوا۔ مثلاً رکوع کسے کہتے ہیں؟ یا رکعت کیا ہے؟ اور تشہد کے لیے کیسے بیٹھا جائے گا؟ جب میں نے یہ بات متعدد مذہبی علماء کے سامنے رکھی اور کہا کہ مجھے بخاری کی ان احادیث کا حوالہ دیں جن میں نماز پڑھنے کا طریقہ لکھا ہے یا آپ نے کس حدیث سے نماز پڑھنے کا طریقہ لیا ہے تو جواب میں یہ وعدہ کہ میں آپکو معلوم کر کے بتاؤں گا۔ پھر یہ وعدہ کسی نے وفا نہ کیا۔

صرف ایک صاحب نے ایک کتاب دی ''صفۃ صلاۃ النبی ﷺ'' جو محمد ناصر الدین الالبانی کی تصنیف ہے جس میں بے شمار کتب روایات سے نماز کا طریقہ لے کر اکھٹا کیا گیا ہے۔ جس میں چھ مختلف قسم کے تشہد اور سات قسم کے درود بیان ہوئے ہیں یعنی ان کے راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ نماز کے یہ طریقے وہ ہیں جو حنبلی فقہ (جو سعودی عرب میں رائج ہے) کے مطابق ہیں جنہیں پاکستان کے عوام کی اکثریت (جو حنفی فقہ کو مانتی ہے) صحیح تسلیم نہیں کرتی۔ اس کتاب میں جن روایات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بے شمار کتب روایات سے لی گئی ہیں اور ان میں سے متعدد ایسی ہیں جو صحاح ستہ میں سے نہیں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب صحیح بخاری کو صحیح ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے تو اس میں نماز کا طریقہ کیوں نہ آیا؟ بخاری نے ایسی روایات اپنے مجموعہ میں شامل کیوں نہ کیں؟ اگر وہ انکے صحت کے معیار پر نہیں اتریں تو پھر ان میں مذکورہ نماز کے بارے روایات (جو تضادات کا مجموعہ ہیں) قابل قبول کیسے ہو سکتی ہیں؟ حقیقت یہی ہے کہ نماز کا طریقہ نہ تو ہمیں بخاری سے ملتا ہے نہ مسلم سے۔ ہر شخص نماز کا طریقہ اپنے گھر سے سیکھتا ہے اگر اس کے گھر والے حنفی ہیں تو وہ حنفی طریقہ اپنا لیتا ہے اور اگر وہ اہل حدیث ہیں تو وہ بھی اہل حدیث ہو گا۔ پھر صورت حال یہ ہے کہ ایک ہی علاقہ میں قریب قریب تین طرح کی مساجد ہیں جو صرف اس بنیاد پر بنائی گئی ہیں کہ ایک فرقہ کے لوگوں کے نزدیک دوسرے فرقہ کی نماز کا طریقہ کار صحیح نہیں ہے۔ ردلچسپ بات یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنی نماز کا طریقہ احادیث سے لیتا ہے (جو انکے نزدیک احادیث رسول ﷺ ہیں)۔ ایک عام آدمی کس بنیاد پر فیصلہ کرے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ اگر پاکستان میں قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق حکومت قائم ہوتی تو وہ باہم مشاورت سے نماز کا ایک ہی طریقہ مقرر کرتی اور اسکا اطلاق یکساں طور پر تمام عوام پر ہوتا۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ احادیث کو قرآن کریم پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ طریقہ کار صحیح نہیں کہ قرآنی اصطلات کی تشریح حدیث کے مطابق کی جائے۔ مثلاً صلاۃ زکوۃ صوم وحج وغیرہ۔ حقیقت میں دیکھنا یہ چاہیے کہ قرآن کریم سے انکی کیا شکل سامنے آتی ہے اور اسکے بعد صرف اسی حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے جو اس شکل کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں جو قوانین بیان کیے گئے ہیں انکی غرض وغایت بھی بیان کر دی ہے اور اسکے نتائج بھی بیان کر دیے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کے طریقہ کار زمانے کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ اس سے وہ نتیجہ سامنے آنا چاہیے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ یہاں ہوتا یہ ہے کہ احادیث پر عمل کرانا مقصود ہے چاہے اس سے وہ نتائج سامنے آئیں یا نہ آئیں جو قرآن کریم نے بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر صلاۃ ہی کو لیا جائے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ (الحج - ۴۱)
جب ہم انہیں حکومت عطا کرتے ہیں تو یہ نظام صلاۃ وزکاۃ قائم کرتے ہیں۔

یعنی اس کے لیے قرآن کے مطابق قائم شدہ حکومت ہونا ضروری ہے جبھی اس کے وہ نتائج سامنے آئیں گے جو قرآن کریم نے بیان کیے ہیں۔ اسی طرح صلاۃ کے بارے میں ہے کہ:
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت - ۴۵)
یقیناً صلاۃ فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے

یعنی صلاۃ قائم ہونے سے فحاشی اور منکرات ختم ہو جاتے ہیں۔ آج تمام اسلامی ممالک میں نماز ہو رہی ہے لیکن فحشاء اور منکرات ختم نہیں ہوئے تو کیا یہ دیکھنا ضروری نہیں کہ چونکہ وہ نتائج سامنے نہیں آ رہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اس لئے کہیں ہمارا طریقہ کار ہی تو غلط نہیں؟

اسی طرح سورۃ الماعون میں ذکر ہے:

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے جو دین کی تکذیب کر رہا ہے اور وہ وہی ہے جو بے سہارا لوگوں کو تنہا چھوڑ دیتا ہے اور جن کا کاروبار رک جائے ان کے کھانے کا انتظام نہیں کرتا۔ پس تباہی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی صلاۃ (کی غرض وغایت) سے غافل ہیں یہ وہ ہیں جنہوں نے نظر آنے والی نماز شروع کر رکھی ہے لیکن جو امداد باہمی کا نظام اس صلاۃ سے وابستہ ہے اسے روک دیتے ہیں۔"

اس سورت سے صلاۃ کی شکل واضح طور پر سامنے آجاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ ایک ایسا اجتماع ہے جس کے شروع میں رسماً اور علامتی طور پر اللہ کے سامنے جھکا جائے اور پھر لوگوں کے معاشی اور دوسرے مسائل حل کیے جائیں۔ یہ کام ایک ایسا شخص انجام دے سکتا ہے جو با اختیار ہو اس لیے ہر امام قرآنی مملکت کا نمائندہ ہوگا جو اس علاقہ میں رہنے والے لوگوں کے مسائل حل کرے۔ ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں مملکت کا کاروبار ہوتا تھا۔ آج کل کی مساجد محض مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے رہ گئی ہیں جن کا معاشرے کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔

لہٰذا ان احادیث پر عمل کرنے پر زور دینے کی بجائے جن سے صلاۃ کے مقاصد پورے نہیں ہوتے ہمیں ایسا طریقہ وضع کرنا ہوگا جو صلاۃ کی غرض وغایت کو پورا کرے اور جیسا کہ میں نے بار بار کہا ہے یہ اختیار قرآن کریم کے مطابق قائم ہونے والی حکومت ہی کو حاصل ہے۔

چونکہ صحیح بخاری کو قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب کہا جاتا ہے اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آخر اس میں ہے کیا؟ یہ کونسے مسائل حل کرتی ہے۔ قرآن کریم کی کس حد تک تشریح کرتی ہے؟ ان امور کا جائزہ لینے کے لیے میں نے اس میں درج شدہ احادیث کو مختلف انواع میں تقسیم کیا ہے۔

میں نے صحیح بخاری کے جس مجموعے کا مطالعہ کیا وہ مکتبہ تعمیر انسانیت۔ اردو بازار لاہور کا شائع کردہ ہے۔ میں نے جس دوکان سے خریدا اس کے پاس یہی تھا۔ یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کسی مخصوص گروہ کا شائع کردہ نہیں ہے کیونکہ میری جن لوگوں سے بات چیت ہوتی ہے ان سے بعض لوگ مذہبی رہنماؤں کے پاس جا کر بتاتے ہیں کہ بخاری میں تو فلاں حدیث درج ہے تو جیسا کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں کا وطیرہ ہے کہ منطقی جواب دینے کی بجائے توجہ دوسری طرف مبذول کر دیتے ہیں ان سے کہا جاتا تھا کہ بخاری کا وہ مجموعہ کسی گروہ نے بدنیتی سے چھاپا ہوگا۔

بہر حال میرے تمام حوالہ جات اسی مجموعہ سے ہیں۔ اس کے سب سے پہلے صفحے پر عرض ناشر کا عنوان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ: ''خداوندی ارشادات کا جو سرمایہ حضور ﷺ کے ذریعے ہم کو ملا اس کے دو حصے ہیں۔ ایک اللہ اور دوسرا آپ کے ارشادات اور تمام قولی و عملی تعلیمات ہیں۔ پہلے حصے کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں اور دوسرے کو سنت کہا جاتا ہے اور سنت معلوم کرنے کا ایک انتہائی قابل اعتماد ذریعہ احادیث رسول پر مشتمل صحاح ستہ کی کتب ہیں۔ ان میں امام بخاریؒ کی مرتب کردہ الجامع الصحیح بخاری کا مرتبہ سب سے بلند ہے جس کو امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے سولہ سال کی مدت میں مرتب کیا۔ تمام علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ صحیح ترین احادیث کا مجموعہ ہے جو کہ **سات ہزار دو سو پچھتر** احادیث پر مشتمل ہے۔ صحت کے لحاظ سے یہ صحیح مسلم سے بھی زیادہ فوقیت رکھتی ہے۔''

اس حوالے کو ہر وقت ذہن میں رکھیے گا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مجموعہ کی پہلی جلد میں ۲۵۳۱ احادیث ہیں دوسری جلد میں ۲۱۱۳ اور تیسری جلد میں ۲۴۰۸ احادیث ہیں۔ اسطرح انکی مجموعی تعداد ۷۰۵۲ ہوتی ہے۔ ۲۲۳ احادیث کے بارے میں کہیں ذکر نہیں کہ وہ کہاں گئیں۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس مجموعہ کو کس حد تک پرکھا گیا ہے۔

اس تعداد سے مکررات حذف کر دی جائیں تو میری گنتی کے حساب سے انکی تعداد ۲۷۳۲ رہ جاتی ہے۔ احادیث کی تکرار کا پتہ لگانا نہایت مشکل کام ہے کیونکہ بعض احادیث بارہ تیرہ مرتبہ مختلف ابواب میں درج ہیں اور بعض ابواب سے انکا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اتفاق سے مجھے سعودی عرب میں ایک کتاب بعنوان ''فہارس البخاری۔ تالیف رضوان محمد رضوان'' مل گئی جس سے مکررات حذف کرنے میں بہت آسانی ہوگئی۔ اس سے یہ موقع بھی ملا کہ میرے پاس جو بخاری کا مجموعہ ہے اسکی حدیثوں کا موازنہ اس کتاب سے کرسکوں۔ تقریباً دس بارہ احادیث کا اختلاف ملا۔ اسکے علاوہ کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔

بخاری میں متعدد احادیث اس قسم کی ہیں جن کا حوالہ میں اس کتاب میں نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ انہیں میری بہنیں یا بیٹیاں پڑھ سکیں۔ انکا تعلق غسل، حیض، نکاح وغیرہ سے ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شرع میں شرم نہیں لیکن کیا یہ امر باعث حیرانگی نہیں کہ خواتین کے متعلق مسائل کا بیان تو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہو اور حضرت عائشہ مردوں کو بتائیں۔ اس طرح کی باتوں سے کم از کم مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ بہت سی احادیث گھڑی ہوئی ہیں اور جن کا مقصد رسول اللہ ﷺ اور انکی ازواج اور انکے صحابہ کے بارے میں غلط تاثر پھیلانا ہے۔ اس طرح کی بہت سی احادیث پر متعدد مذہبی رہنماؤں نے تنقید بھی کی ہے۔ یہ اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ احادیث وحی نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں دین کی اساس بنایا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ امام بخاریؒ نے دانستہ ایسی احادیث جمع کی ہیں اور نہ آج یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ انکے مجموعہ احادیث میں بعد کے لوگوں نے کتنا اضافہ کیا ہے لہذا میرا مقصد امام بخاری پر تنقید کرنا نہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ احادیث چاہے امام بخاری نے جمع کی ہوں یا دوسرے اماموں نے (انکی نیتوں پر شک نہ کرتے ہوئے) وہ نہ تو وحی ہو سکتی ہیں اور نہ اس قدر مستند کہ انہیں دین کی بنیاد بنایا جا سکے۔ انہیں ہمیں تاریخ کی حیثیت سے دیکھنا ہوگا اور صرف اسی بات کو صحیح تسلیم کرنا ہوگا جو قرآن کریم کے مطابق ہو۔ کیونکہ ساری کی ساری وحی اسی میں ہے اور یہی کلام اللہ ہے اور اسی کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔ سنت رسول ﷺ اس سے مختلف ہو نہیں سکتی۔

اگلے ابواب میں ہر قسم کی احادیث کے بارے میں جائزہ پیش کیا جائے گا اور اس عنوان کے تحت آنے والی روایات کی چند مثالیں سامنے لائی جائیں گی۔

۱۔ عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں

صحیح بخاری میں اس طرح کی احادیث کی تعداد ۱۴۰۵ ہے۔ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے اسے ملک کے قانون کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا ۔ان میں جو باتیں ایسی ہیں جنہیں آج سے چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کو شاید بتانا پڑتا ہو۔آج وہ بے معنی لگتی ہیں۔ایسی احادیث ہم تک نہ بھی پہنچتیں تو کسی کمی کا احساس نہ ہوتا۔مثال کے طور پر غسل کرنے کا طریقہ اس طرح بیان ہوا ہے:

عبداللہ بن محمد عبدالصمد شعبہ ابوبکر بن حفص نے کہا کہ میں نے ابو سلمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان سے ان کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کا حال پوچھا تو انہوں نے تقریباً ایک صاع پانی منگایا پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اس حال میں کہ ہمارے اور انکے درمیان پردہ حائل تھا۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۲۴۶۔صفحہ نمبر ۱۷۷ کتاب الغسل)

یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اگر ہم تک یہ حدیث نہ پہنچتی تو کیا ہمیں غسل نہ کرنا آتا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غسل کا یہ طریقہ بتایا ہے۔کیا ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی اسی طریقے سے غسل کریں اور اگر نہیں کرتے تو کیا ہم منکر سنت کہلائیں گے؟ جہاں تک میری معلومات ہیں شاید ہی کوئی مذہبی رہنما ایسا ہو جو اس طریقے سے غسل کرتا ہو۔یعنی اگر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا تھا تو وہ اس زمانے کے مطابق تھا آج ہمارے لیے ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ تمام احادیث کے بارے میں یہی طریقہ کار ہونا چاہیے تو اسے غلط کیوں سمجھا جائے؟ یا پھر وہ کونسا معیار ہو گا؟ جس کی رو سے یہ طے ہوسکے گا کہ آج کس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور کس پر نہیں؟

اس کے علاوہ اس حدیث سے جو تصویر سامنے آتی ہے وہ کس قدر شرمناک ہے؟ کیا غسل کا طریقہ بتانے کے لئے حضرت عائشہ کے سوا کوئی اور نہ تھا؟ اور اگر درمیان میں پردہ حائل تھا تو راوی کو غسل کرنے کا طریقہ کیسے معلوم ہوا؟ اور دوسرے امکان کا تصور بھی کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو آگ لگادی جائے۔
اسی طرح کی چند اور احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حماد بن یزید، غیلان بن جریر، ابو بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپؐ کو دیکھا کہ مسواک آپؐ کے دست مبارک میں ہے اور منہ میں (اس طرح) مسواک فرمارہے ہیں کہ اُع اُع کی آواز نکلتی ہے (جیسے کوئی) قے کرتا ہے۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۲۴۰۔صفحہ نمبر ۱۷۴۔کتاب الوضوء)

ابراہیم بن مندر ولید، ابوعمر واوزاعی، نافع، ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ عیدگاہ کی طرف صبح کو جاتے اور نیزہ ان کے آگے لے کر چلتے اور عیدگاہ میں ان کے سامنے نصب کیا جاتا پھر اس کے سامنے آپ نماز پڑھتے تھے۔

(جلد اول۔روایت نمبر ۹۴۰۔صفحہ نمبر ۳۹۹۔کتاب العیدین)

عبداللہ بن یوسف، مالک، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کو رسول

اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی پھر واپس ہوئے۔

(جلد اول۔روایت نمبر ۱۰۹۰۔ صفحہ نمبر ۴۵۴۔ابواب التہجد)

محمد بن عبداللہ، عبداللہ ثمامہ سے حضرت انس نے بیان کیا کہ ان کے پاس حضرت ابوبکرؓ نے دو چیزیں لکھ بھیجیں جو رسول اللہ ﷺ
نے فرض کی تھیں۔اس میں یہ بھی تھا کہ جو مال دو شریکوں کا ہو وہ دونوں زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد آپس میں برابر برابر سمجھ لیں۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۱۳۶۰۔ صفحہ نمبر ۵۴۲۔ کتاب الزکاۃ)

ابوالنعمان، معتمر بن سلیمان، سلیمان، ابو عثمان، عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے پھر ایک مشرک آدمی آیا جو طویل تھا اور اس کے سر کے بال پریشان تھے بکریاں ہانک رہا تھا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا بیچنا چاہتا تھا یا عطیہ یا ہبہ کے طور پر دینا چاہتا ہے اس نے کہا نہیں بلکہ بیچتا ہوں تو آپؐ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔

(جلد اول۔روایت نمبر ۲۰۶۴۔ صفحہ نمبر ۶۷۷۔ کتاب البیوع)

علی بن عبداللہ بن جعفر، معن بن عیسیٰ، ابن ابی عباس بن سہل اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہمارے باغ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام لحیف تھا۔

(جلد دوم، حدیث نمبر ۱۱۹صفحہ نمبر ۸۰۔ کتاب الجہاد والسیر)

حمیدی، سفیان، ہشام بن عروہ، ان کے والد، عبداللہ بن زمعہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت صالح کی اونٹنی کے پیر کاٹنے والے کا ذکر کرتے ہوئے سنا آپؐ نے فرمایا اس اونٹنی کو مارنے کے لئے وہ شخص تیار ہوا جو عزت والا اور قوت کے اعتبار سے بڑے جتھے کا آدمی تھا جو ابو زمعہ کی طرح تھا۔
(جلد دوم۔روایت نمبر ۶۰۲۔ صفحہ نمبر ۲۷۸۔۲۷۹۔ کتاب الانبیاء)

یحییٰ بن سلیمان، ابن وہب، حیوہ، ابو عقیل، زہرہ بن معبد حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ تھے اور آنحضرت ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔
(جلد دوم۔روایت نمبر ۸۹۱۔صفحہ نمبر ۳۹۵۔ کتاب الانبیاء)

مسلم بن ابراہیم، قرہ، محمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دس یہودی بھی مجھ پر ایمان لے آتے تو سارے یہودی مسلمان ہو جاتے۔

(جلد دوم۔روایت نمبر ۱۱۱۹۔صفحہ نمبر ۴۹۴، کتاب الانبیاء)

ابو نعیم، سفیان، ابو اسحاق، سلیمان بن صرد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول خدا ﷺ نے احزاب کے دن فرمایا اب

ہم ہی ان پر حملہ کیا کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کر سکیں گے۔
(جلد دوم۔روایت نمبر ۱۲۷۸ صفحہ نمبر ۵۶۴، کتاب المغازی)

ابو الیمان، شعیب، ابو الزناد، عرج، حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین عورتیں مرد کے لیے قریش کی عفیفہ عورتیں ہیں۔وہ اپنے بچوں پر ان کی کم سنی میں ازحد شفیق اور اپنے شوہر کے مال کی زیادہ نگہبان ہوتی ہیں۔
(جلد سوم۔حدیث نمبر ۴۳۔۷۔ صفحہ نمبر ۴۲۔ کتاب النکاح)

علی بن عبداللہ، معاذ بن ہشام، ہشام، یونس اسکاف، قتادہ، انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے کبھی چھوٹی
چھوٹی طشتریوں میں کھایا ہو اور نہ آپؐ نے کبھی پتلی روٹی کھائی اور نہ آپؐ نے خوان پر کھایا۔قتادہ سے پوچھا گیا کہ آخر لوگ کس
چیز پر کھاتے تو انہوں نے جواب دیا سفرے پر (خوان سے مراد ایسی چیز ہے جس پر کھانا رکھا جائے اور وہ زمین سے بلند ہو)
(جلد سوم۔حدیث نمبر ۳۵۳۔ صفحہ نمبر ۱۷۸، کتاب الاطعمہ)

عمرو بن عاصم، ہمام، قتادہ، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کس قسم کے کپڑے زیادہ محبوب تھے تو انہوں نے کہا حبرہ ایک قسم کی چادر ہے۔
(جلد سوم۔حدیث نمبر ۵۸۔۷۔ صفحہ نمبر ۳۱۱۔ کتاب اللباس)

یحیٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، سعید بن مسیّب سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔
(جلد سوم۔روایت نمبر ۱۴۰۵ صفحہ نمبر ۵۲۲۔ کتاب الرقاق)

ابو نعیم، سفیان، اعمش، ابراہیم، ہمام، حضرت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اے قراء کی جماعت تم سیدھی راہ اختیار کرو، اس لیے کہ تم بہت پیچھے رہ گئے ہو، اگر تم دائیں بائیں ہٹ گئے تو تم اس وقت بہت ہی دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔
(جلد سوم۔روایت نمبر ۲۱۴۳۔ صفحہ نمبر ۸۰۱۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

یہ بے شمار حدیثوں میں سے چند ہیں اور جو مختصر ہیں۔بعض بہت طویل روایات ہیں جن کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ہمارے مذہبی رہنما ان روایات سے بہت فوائد نکال کر بیان کریں گے۔بہر حال اسطرح کی روایات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اگر ہمارے سامنے نہ آتی تو ہمیں زندگی گزارنے میں مشکل پیش آتی یا ان کے بغیر اسلام نامکمل رہ جاتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جن پر آج عمل کیا جائے تو لوگ پٹائی کرنے لگ جائیں گے اور شاید یہ بتانے کا موقع نہ ملے کہ بھائی میں تو حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔بری طرح مار کھانے کے بعد اگر کسی نے اسکی بات سن بھی لی تو یہی کہا جائے گا کہ بھائی اس زمانے میں تو ایسا ممکن تھا آج نہیں۔اس کی صرف دو مثالیں لیں:

آدم بن ابی ایاس، شعبہ، سعید بن یزید ازدیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا کہ کیا رسول خدا ﷺ اپنی جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں!
(جلد اول۔ روایت نمبر ۳۷۶۔ صفحہ نمبر ۲۲۱۔ کتاب الصلوٰۃ)

مسلم بن ابراہیم، ہشام، قتادہ، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے داہنی جانب نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۵۰۳ صفحہ نمبر ۲۶۴۔ کتاب مواقیت الصلاۃ)

سعودی عرب میں، مَیں نے لوگوں کو جوتے پہن کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ پاکستان میں اس حدیث پر عمل کرنے کا مطلب ہے کہ پٹائی کرالی جائے جس میں جان بھی جا سکتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم کے کسی اصول سے ٹکرانے والی احادیث

بخاری کے مجموعہ میں تعداد کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر وہ روایات آتی ہیں جو قرآن کریم کے کسی اصول سے ٹکراتی ہیں۔ انکی تعداد ۶۵۰ ہے۔ ایسی روایات ہرگز رسول اللہ ﷺ کے اقوال یا افعال نہیں ہو سکتے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا کوئی عمل خلاف قرآن ہو ہی نہیں سکتا لہذا ایسی روایات کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا انؐ پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

مذہبی رہنما اس سلسلہ میں بہت متشدد ہو جاتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ حدیث، قرآن کریم کے احکام کو منسوخ کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ ... ۳:۹۷
کسی شخص کو چاہے اسے اللہ نے کتاب یا حکومت یا نبوت دی ہو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ میری اطاعت کرو اللہ کے سوا۔

جو حق اللہ تعالیٰ کسی نبی کو نہیں دیتا اسے ہمارے مذہبی رہنماؤں نے اپنے لیے کیسے جائز قرار دے دیا؟ یہ انکا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ عام لوگوں کو یہ اصول اپنانا چاہئے کہ وہ بلا سوچے سمجھے کسی بات کو تسلیم نہ کریں۔ احادیث قرآن کریم کے احکام کو منسوخ کر سکتی ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ صحیح اور غلط کا معیار قرآن کریم نہیں بلکہ احادیث ہیں اور جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان ہوا ہے احادیث معیار نہیں بن سکتیں۔

مذہبی رہنماؤں کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات (تقریباً ۲۱۵) کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں اب وہ صرف تلاوت کے لیے ہیں۔ منسوخ ہونے کہ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شروع میں کچھ احکام آئے اور بعد میں انکی جگہ دوسرے احکام آ گئے جن کی وجہ سے پہلے احکام منسوخ ہو گئے۔ اسکے استدلال کیلئے یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ط (البقرة ۱۰۶)
ہم جس آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا اسی کی جیسے۔

اگر کسی بھی موضوع پر قرآن کریم میں اس سے متعلق تمام آیات نہ دیکھی جائیں تو اسطرح کی صورت پیش آ سکتی ہے جس سے قرآن کریم میں تضاد نظر آئے۔ قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کا ایک ثبوت اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ صرف ایک آیت کو لے کر حکم صادر کر دینا اور پھر اس غلطی پر اصرار کرنا ہمارے مذہبی رہنماؤں کا شیوہ بن چکا ہے۔ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں انکی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے چاہے اس سے اللہ یا اسکے رسول یا اسکی کتاب پر حرف آئے۔

نسخ کے متعلق جس آیت کو لے کر ناسخ و منسوخ کے عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اسکا حوالہ آ چکا ہے۔ اسی موضوع سے متعلق دو اور آیات کو لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ وہ آیات اس طرح ہیں:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ
اللّٰهُ آيَاتِهٖ ط (الحج = ۲۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا تو اسکے ساتھ یہی ہوا کہ (اس کے جانے کے بعد) شیطان (دین سے منحرف کرنے والے لوگ) اس کی کتاب (یعنی جس کی وہ تلاوت کرتا تھا۔ اس وحی میں) اپنی طرف سے کچھ ملا دیتے۔ اس کے لئے اللہ پھر ایک رسول بھیجتا جو اس غیر خدائی تبدیلیوں اور اضافوں کو مٹاتا اور اس طرح وحی کو پھر اس کی منزہ شکل میں پیش کرتا۔ (لغات القرآن از غلام احمد پرویز)

یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ پہلے کے لوگوں نے اللہ کے احکام میں اپنے خیالات و جذبات کی ملاوٹ کر دی۔ اس وجہ سے وہ احکام اللہ کے احکام نہ رہے (جیسا کہ سابقہ آسمانی کتب کے ساتھ ہوا)۔ اس پر اللہ تعالٰی نے ان احکامات کو منسوخ کرتے ہوئے دوبارہ وحی کی صورت میں اپنے احکام دیے۔ یہ سلسلہ اسکی آخری کتاب (قرآن کریم) آنے تک جاری رہا۔ اب اسکے احکام صرف قرآن کریم میں موجود ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس کتاب کے تقدس کو طرح طرح کے عقائد سے پامال کیا جا رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ نامکمل ہے۔ اس میں بہت سے احکام نہیں دیے گئے۔ کسی کو اس میں تفاصیل نہیں ملتی۔ کوئی اسکی آیات کو احادیث سے منسوخ کرتا ہے اور کوئی اس کی آیات کو دوسری آیات سے۔

دوسری آیت یہ ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ☆ (ق - ۲۹)
میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں اپنے پر ظلم کرنے والا ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی باتوں یا احکام کو نہیں بدلتا۔ بہر حال یہ تو انسانوں کا کام ہے کہ وہ بیٹھ کر فیصلہ کر رہے ہیں کہ یہ آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے اور فلاں آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔ کیا اللہ تعالٰی نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دی ہے؟ اگر کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب کی چند سطور کے بارے میں کوئی دوسرا انسان اعلان کر دے کہ وہ انہیں منسوخ کر رہا ہے تو مصنف اس کے خلاف چارہ گوئی کر سکتا ہے۔ اور یہاں اتنی جرات کہ انسان اللہ تعالٰی کی آیات منسوخ کر رہا ہے۔

یہاں پھر وضاحت کر دوں کہا یہ جاتا ہے کہ رسول اللہ کو بذریعہ وحی ان کی منسوخی کا حکم دیا گیا۔ مندرجہ بالا آیت (ق-۲۹) کی رو سے یہ ممکن ہی نہیں لیکن اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے تو موجودہ قرآن کریم میں وہی آیات ہونی چاہیے تھی جو منسوخی کے بعد باقی رہ جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ اسی شکل میں قرآن کریم چھوڑ کر گئے جس طرح اللہ تعالٰی نے دیا تھا۔ ان کے بعد راوی حضرات کو یہ حق کیسے مل گیا کہ وہ قرآن کریم کی آیات منسوخ قرار دیتے رہیں۔

اب ہم چند مثالیں لیتے ہیں جن میں قرآن کریم کے خلاف احادیث بیان ہوئی ہیں:

ابو الولید، شعبہ، عبداللہ بن جبیر، انس بن مالک ؓ نبی ﷺ سے (نقل کرتے ہیں) کہ آپ ؐ نے فرمایا، انصار سے محبت کرنا ایماندار ہونے کی نشانی ہے اور انصار سے دشمنی رکھنا منافق ہونے کی علامت ہے۔

(جلد اول۔روایت نمبر ١٦۔ صفحہ نمبر ٩٢، کتاب الایمان)

ایمان لانے کی جو شرائط قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط شامل نہیں ہے لہذا یہ خلاف قرآن ہے۔اور ویسے بھی آج اس پر عمل کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

عبدان، عبداللہ، یونس، زہری، سالم، عبداللہ (بن عمرؓ) روایت کرتے ہیں، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی اور یہ وہی (نماز) ہے جس کو لوگ عتمہ کہتے تھے۔نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس شب کی خبر دوں، اس سے سو برس کے شروع پر جو لوگ زمین کے اوپر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔
(جلد اول۔روایت نمبر ٥٤٤۔صفحہ نمبر ٢٧٣۔کتاب مواقیت الصلاۃ)
یہ اور ایسی بے شمار احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ سے پیشین گوئیاں منسوب کی گئی ہیں سب خلاف قرآن ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ ؕ (الانعام ۔ ٥٠)

ان سے کہو! میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔میں تو صرف اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غیب کی جو بھی باتیں بتائیں وہ بذریعہ وحی تھیں اور وحی اب صرف قرآن کریم میں ہے۔

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، صالح بن کیسان، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، زید بن خالد جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں بارش کے بعد جو شب میں ہوئی تھی، صبح کی نماز پڑھائی جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف اپنا منہ کر کے فرمایا، کہ تم جانتے ہو، کہ تمہارے پروردگار عزوجل نے کیا فرمایا ہے، وہ بولے کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے (آپؐ نے فرمایا کہ) اس نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں کچھ لوگ مومن بنے اور کچھ کافر، تو جنہوں نے کہا، کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اسکی رحمت سے بارش ہوئی تو ایسے لوگ مومن بنے، ستاروں (وغیرہ) کے منکر ہوئے۔لیکن جنہوں نے کہا، کہ ہم پر فلاں ستارے کے سبب سے بارش ہوئی، وہ میرے منکر بنے اور ستارے پر ایمان لائے۔
(جلد اول۔روایت نمبر ٨٠٣۔ صفحہ نمبر ٣٦٢۔ کتاب الصلوۃ)

یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنایا اور وہ فرمان قرآن کریم میں نہیں ہوتا۔(انہیں حدیث قدسی کہا جاتا ہے) یہ سب خلاف قرآن ہیں اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہے کہ وحی قرآن کریم کے علاوہ بھی ہے۔جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے وہ قرآن کریم میں ہے اور وہ مکمل کتاب ہے۔اس سے باہر کہیں اور وحی کا اندارج نہیں ہوا۔رسول اللہ ﷺ کا فریضہ تھا کہ وہ امت کو وحی مکمل طور پر جمع کر کے اور مدون کر کے دیتے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔وحی کے کسی حصہ کو راویوں کے لیے نہیں چھوڑا کہ وہ ہمیں اس کے متعلق بتاتے پھریں۔یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جس کی موجودگی میں، مَیں کسی اور روایت یا تاریخ کو صحیح نہیں سمجھتا۔

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، ابن شہاب، ابو سلمہ، ابو عبداللہ اغر ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے جس کا وقت آخری تہائی رات باقی رہتی ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اسکی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اسے بخش دوں۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۱۰۷۴۔صفحہ نمبر ۴۴۹۔ابواب تقصیر الصلوۃ)

اس طرح کی احادیث جن میں اللہ کی ذات کے بارے میں بتایا گیا ہے خلاف قرآن ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:'' لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ ''۔ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہیں بلکہ اسکی بعض صفات کو جان سکتے ہیں اور وہ صفات اس نے قرآن کریم میں بیان کر دی ہیں۔

سعید بن ابی مریم، محمد بن جعفر، ہشام بن عروہ، عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مرگئی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ گفتگو کرتی تو خیرات کرتی۔اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔
(جلد اول۔حدیث نمبر ۱۲۸۸۔صفحہ نمبر ۵۲۱۔کتاب الجنائز)

ایسی احادیث جن میں مرنے والوں کو اجر ملنے یا ایک شخص کا اپنی قریبی خونی رشتہ دار کے لیے عمل کرنے کا ذکر ہے وہ خلاف قرآن ہیں۔اس بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ☆ لَعَلِّیٓ اَعْمَلُ صَالِحاً فِیْمَا تَرَکْتُ ط کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا ط وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ☆ (المومنون ۔ ۹۹، ۱۰۰)
> یہاںتک کہ جب ان میں کسی کو موت آتی ہے تو کہنے لگ جاتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے واپس اسی دنیا میں بھیج دے جسے میں چھوڑ آیا ہوں تاکہ میں اچھے کام کروں۔ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔اور اب مرنے والوں کے پیچھے ایک پردہ ہے حتیٰ کہ انہیں دوبارہ اٹھایا جائے۔

اگر عزیز و اقارب اس کی طرف سے اچھے عمل کر سکتے ہوتے تو وہ واپسی کی تمنا کیوں کرتا۔وہ تو مطمئن ہوتا کہ چلو کوئی بات نہیں میرے قریبی رشتہ دار میرے لیے اچھے اعمال کر لیں گے۔

> مَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (بنی اسرائیل ۔ ۱۵)
> جو کوئی ہدایت حاصل کرے وہ اسکی اپنی ذات کے لئے ہی سودمند ہوگی۔اور جو گمراہ ہو جائے اسکا اثر اسی کی ذات پر ہوگا۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ہمارے ہاں مذہبی رہنما بڑے زور وشور سے ایسے عقائد کا پرچار کرتے ہیں جن کی رو سے مرنے والے کے لئے اس کے لواحقین ثواب پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔پاکستان میں اسکی متعدد شکلیں رائج ہیں جبکہ اکثر دوسرے اسلامی ممالک میں انکا کوئی رواج نہیں۔دراصل ایسا کرنے سے مذہبی رہنماؤں کے کھانے پینے کا انتظام جاری و ساری رہتا ہے۔

۳۔ جو احادیث نبوی ہی نہیں

بخاری میں (۴۷۸) ایسی روایات ہیں جنہیں حدیث نبوی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان میں رسول اللہ ﷺ کے کسی قول کا ذکر ہے نہ عمل کا بلکہ اکثر میں آپ ﷺ کا ذکر تک نہیں۔ ایسی روایات کو بخاری کے مجموعہ میں شامل کرنا اور انکی تعداد کو دوسری روایات میں شمار کرنے کی وجہ سمجھ سے باہر ہے۔ انہیں علیحدہ بھی درج نہیں کیا گیا بلکہ حدیثوں کے تسلسل میں ہی شامل کیا گیا ہے۔ جب بتایا جاتا ہے کہ بخاری میں احادیث کی تعداد اتنی ہے تو اس میں یہ شامل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیات تو بیٹھ کر منسوخ کر دیتے ہیں لیکن کسی نے یہ جرات نہیں کی کہ بخاری میں سے ایسی روایات کو علیحدہ کر دیتا۔

ایسی روایات کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

محمد بن سلام، محمد بن حسن واسطی، عوف، حضرت حسن بصری سے روایت ہے انہوں نے فرمایا، کہ عالم کے سامنے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور عبیداللہ بن موسیٰ نے سفیان سے روایت کیا، وہ کہتے تھے کہ جب محدث کے سامنے پڑھ چکا ہو، تو حدثنی کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ محمد بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے ابو عاصم سے سنا وہ مالک اور سفیان سے نقل کرتے تھے کہ عالم کے سامنے پڑھنا اور عالم کا پڑھنا دونوں برابر ہیں۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۶۱۔ صفحہ نمبر ۱۱۲۔ کتاب العلم)

احمد بن یونس، عاصم بن محمد، واقد بن محمد، محمد بن منکدر روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جابر نے ایسے تہ بند میں جس کو انہوں نے اپنی پشت کی طرف باندھا تھا نماز پڑھی باوجودیکہ ان کے کپڑے کھونٹی پر رکھے تھے ان سے ایک کہنے والے نے کہا، کہ آپ ایک ازار میں نماز پڑھتے ہیں انہوں نے کہا، میں نے یہ اس واسطے کیا، کہ تیرے جیسا احمق مجھے دیکھے اور (تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ) رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے نہ تھے۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۳۴۳۔ صفحہ نمبر ۲۱۱۔ کتاب الصلوۃ)

مذکورہ بالا روایت میں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر آیا ہے۔ اس میں انکے کسی قول یا فعل کا ذکر نہیں لہذا یہ حدیث نبوی ﷺ نہیں ہو سکتی۔

زکریا بن یحییٰ ابو السکین، محاربی، محمد بن سوقہ، سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں ابن عمر کے ساتھ تھا جب ان کے تلوے میں نیزے کے نوک چبھ گئی اور انکا پاؤ، رکاب سے چمٹ گیا، تو میں اترا اور اس نیزے کو نکالا یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا۔ جب حجاج کو خبر ملی تو ان کی عیادت کرنے آیا تو حجاج نے کہا کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس نے آپ کو یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ تو نے ہی ہمیں یہ تکلیف پہنچائی ہے۔ حجاج نے پوچھا کیونکر ابن عمر نے جواب دیا کہ تو ایسے دن ہتھیار لے کر آیا جس دن ہتھیار لے کر نہیں آیا جاتا تھا اور تو نے ہتھیار حرم میں داخل کیا حالانکہ حرم میں ہتھیار داخل نہیں کیا جاتا تھا۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۹۱۳۔ صفحہ نمبر ۳۹۷۔ کتاب العیدین)

سعید، لیث، عقیل، ابن شہاب، ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سے روایت کرتے ہیں کہ قیس بن سعد انصاری جو رسول اللہ ﷺ کے

جھنڈے کے علمبردار تھے۔ جب انہوں نے حج کا ارادہ کیا تو سر میں کنگھی کی۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۲۲۵۔ صفحہ نمبر ۱۱۹۔ کتاب الجہاد والسیر)

اسحاق، وہب بن جریر، ان کے والد، حمید بن ہلال، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ گویا وہ گرد میں اب بھی دیکھ رہا ہوں جو بنی غنم کی گلی میں بلند ہو رہا تھا، موسیٰ نے اتنا اور زیادہ روایت کیا کہ حضرت جبریل کے لشکر کی وجہ سے۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۴۴۷۔ صفحہ نمبر ۲۲۰۔ کتاب بدء الخلق)

علی بن عبداللہ، سفیان، عمرو بن دینار، عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ان کے مکان کے چاروں طرف کفار جمع ہو گئے، جو کہہ رہے تھے کہ عمر اپنے دین سے پھر گیا (ہم اسے قتل کر دیں گے) میں اس وقت لڑکا تھا، اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا پھر ایک آدمی ریشمی قبا پہنے ہوئے آیا اور اس نے (کافروں سے) کہا عمرؓ اپنے دین سے پھر گیا تو کیا ہوا، میں اس کا حمایتی ہوں، ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ (یہ سنتے ہی) ادھر ادھر منتشر ہو گئے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا عاص بن وائل۔
(جلد دوم۔ حدیث نمبر ۱۰۴۵ صفحہ نمبر ۴۵۳۔ کتاب الأنبیاء)

عبدالاعلی بن حماد، وہیب، ایوب، عکرمہ، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغیث یعنی بریرہ کا شوہر بنی فلاں کا غلام تھا۔ اور گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ کی گلیوں میں اس کے پیچھے پیچھے روتا ہوا پھر رہا ہے۔
(جلد سوم۔ روایت نمبر ۲۶۰۔ صفحہ نمبر ۱۴۲۔ کتاب الطلاق)

ابوالیمان، شعیب، زہری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام کلثوم علیہا السلام بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ ریشمی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا۔
(جلد سوم۔ روایت نمبر ۷۸۸۔ صفحہ نمبر ۳۱۹۔ کتاب اللباس)

ابونعیم، اسحاق بن سعید، ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کے زمانہ میں اپنے ہاتھ سے ایک مکان بنایا تھا جو مجھے بارش سے پناہ دیتا تھا اور دھوپ سے سایہ دیتا تھا، اس کے بنانے میں اللہ کی کسی مخلوق نے میری مدد نہیں کی۔
(جلد سوم۔ روایت نمبر ۱۲۲۹۔ صفحہ نمبر ۴۶۲۔ کتاب الاستیذان)

اسطرح کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں احادیث رسول ﷺ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ انہیں بخاری میں شامل کرنے کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن یہ کہنا کہ بخاری کی ایک بھی حدیث کا انکار کفر ہے، جہالت کی انتہا ہے۔

۴۔ کائنات کے فطری قوانین کے خلاف

بخاری میں بعض روایات ایسی ہیں جو قوانین فطرت کے خلاف جاتی ہیں۔ جب انہیں یہ کہہ کر پیش کیا جائے کہ یہ اقوال رسول ﷺ ہیں تو غیر مسلم جو اعتراضات اٹھائیں گے انہیں رد کرنا ممکن نہ ہوگا۔ مسلمانوں میں بھی تعلیم یافتہ طبقہ جو سائنسی علوم پڑھتا ہے اسکا ذہن بھی ایسی روایات قبول نہیں کرے گا۔ اپنے لوگوں کو تو مذہبی رہنما ڈرا دھمکا کر بات منواتے ہیں اور جو نہ مانے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں لیکن یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو بھی بغیر سوچے سمجھے نہیں مانتے اور خود اس نے سینکڑوں آیات میں عقل سے کام لینا کا کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی کہلوایا کہ:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط (یوسف ۔ ۱۰۸)
کہو میری راہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دلائل و براہین کی رو سے اور میرا اتباع کرنے والے بھی ایسا کرتے ہیں۔

ہم کسی مذہبی رہنما کی جاہلانہ اور غیر منطقی باتوں کو کیسے تسلیم کرلیں؟

آیئے اسطرح کی روایات کی چند مثالیں ملاحظہ کریں، جنکی بخاری میں مذکورہ تعداد ۱۱۴ ہے

محمد بن علاء، ابو اسامہ، یزید بن عبداللہ، ابو بردہ، ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ سورج گہن ہوا تو نبی ﷺ اس طرح گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے جیسے قیامت آ گئی، آپ مسجد میں آئے اور طویل ترین قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، اور آپ نے فرمایا کہ نشانیاں ہیں جو اللہ بزرگ و برتر بھیجتا ہے یہ کسی کی موت اور حیات کے سبب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم اس کو دیکھو تو ذکر الٰہی اور دعا و استغفار کی طرف دوڑو۔
(جلد اول ۔ روایت نمبر ۹۹۶ ۔ صفحہ نمبر ۴۲۶ ۔ ابواب الکسوف)

آج بچہ بچہ جانتا ہے کہ سورج گرہن کیوں لگتا ہے؟ اس لئے وہ کیسے مان لے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔

محمد بن ابی یعقوب کرمانی، حسان، یونس، محمد، انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو یا اس کی عمر دراز ہو تو صلہ رحم کرے (قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے)۔
(جلد اول ۔ روایت نمبر ۱۹۲۸ ۔ صفحہ نمبر ۷۲۸ ۔ کتاب البیوع)

محمد بن بشار، غندر، سعد ابو سلمہ، ابو ہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار تھا تو وہ بیل اس کی طرف پھرا اور کہا کہ میں اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، میں تو کھیتی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اور ابو بکر اور عمر اس پر یقین لائے اور ایک بکری کو بھیڑیا لے کر بھاگا، چرواہا اس پیچھے چلا تو بھیڑیئے نے کہا، آج تو، تو

چھڑا لے گیا لیکن یوم سبع میں اسکو کون بچائے گا جب کہ میرے سوا کوئی نگہبان نہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اسپر یقین لائے، ابو سلمہؓ نے بیان کیا۔ وہ دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) اس وقت مجلس میں موجود نہ تھے۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۲۱۶۱۔ صفحہ نمبر ۸۰۴۔ کتاب الوکالہ)

اسحاق بن محمد فروی، مالک، نافع، عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک زمانہ میں تم یہودیوں سے جنگ کروگے اور جب کوئی یہودی کسی پتھر کی آڑ میں چھپے گا تو وہ پتھر کہے گا کہ اے عبداللہ یہ دیکھو یہ ایک یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے دوڑو اسے قتل کردو۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۱۸۵۔ صفحہ نمبر ۱۰۱۔ کتاب الجہاد والسیر)

مالک بن اسماعیل، زہیر، ہشام، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا، بخار جہنم کی تیزی سے ہے لہٰذا اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۴۹۵۔ صفحہ نمبر ۲۴۳۔ کتاب بدء الخلق)

محمد، ابو عدی، سعید، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک برتن پیش کیا گیا (اس وقت) آپؐ (مدینہ کے بازار کے نزدیک) مقام زوراء میں تشریف فرما تھے۔ اس برتن میں آپؐ نے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور پانی آپ کی انگلیوں سے ابلنے لگا، جس سے تمام لوگوں نے وضو کرلیا۔ قتادہ کہتے ہیں، میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس قدر تھے۔ انہوں نے کہا، تین سو یا تین سو کے قریب۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۸۴۳۔ صفحہ نمبر ۳۴۹۔ کتاب الانبیاء)

مکی بن ابراہیم، یزید بن ابی عبیدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں تلوار کی ضرب کا نشان دیکھا تو میں نے پوچھا، اے ابو مسلم! یہ چوٹ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ چوٹ مجھے خیبر کے دن لگی تھی، تو لوگوں نے تو یہ کہا کہ سلمہ مرگیا (لیکن) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، تو آپ نے اس پر تین مرتبہ دم فرمادیا، تو مجھے اس وقت سے اب تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۱۳۶۰۔ صفحہ نمبر ۶۰۷۔ کتاب المغازی)

جمعہ بن عبداللہ، مروان، ہاشم بن ہاشم، عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی ہر روز صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھالیا کرے تو اس دن اس کو کوئی جادو اور زہر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
(جلد سوم۔ روایت نمبر ۴۱۰۔ صفحہ نمبر ۱۹۶۔ کتاب الاطعمہ)

اسحاق بن نصر، عبدالرزاق، معمر، زہری، ابن مسیب، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہا حزن۔ آپؐ نے فرمایا تو سہل ہے، انہوں نے کہا کہ میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۔ ابن مسیب کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے ہمارے خاندان میں مسلسل حزن و ملال رہا۔
(جلد سوم۔ روایت نمبر ۱۱۴۰۔ صفحہ نمبر ۴۲۲۔ کتاب الآداب)

اس طرح کی روایات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں تو رسول کریم ﷺ کے معجزات کا ذکر ہے۔ معجزات ایک علیحدہ

موضوع ہے جو ایک کتاب کا متقاضی ہے لیکن روایات کی تائید میں دی گئی دلیل کو رد کرنے کیلئے میں قرآن کریم کی ایک آیت پیش کر رہا ہوں۔ ترجمہ اور تشریح سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی ہے تا کہ یہ اعتراض پیدا نہ ہو کہ میں نے اپنے مطلب کا ترجمہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ☆ (الانعام ۔ ۳۵)

تاہم اگر ان لوگوں کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو (۱) اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا، لہٰذا نادان مت (۲) بنو۔

اسکی تشریح میں لکھا ہے:

(۱) ”نبی ﷺ جب دیکھتے کہ اس قوم کو سمجھاتے سمجھاتے مدتیں گزر گئی ہیں اور کسی طرح یہ راستی پر نہیں آتی تو بسا اوقات آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش! کوئی نشانی خدا کی طرف سے ایسی ظاہر ہو جس سے ان لوگوں کو کفر ٹوٹے اور یہ میری صداقت تسلیم کر لیں۔ آپ کی اسی خواہش کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ بے صبری سے کام نہ لو۔ جس ڈھنگ اور جس ترتیب و تدریج سے ہم اس کام کو چلوا رہے ہیں اسی پر صبر کے ساتھ چلے جاؤ۔ معجزوں سے کام لینا ہوتا تو کیا ہم خود نہ لے سکتے تھے؟ مگر ہم جانتے ہیں کہ جس فکری و اخلاقی انقلاب اور جس مدنیتِ صالحہ کی تعمیر کے کام پر تم مامور کیے گئے ہو اسے کامیابی کی منزل تک پہنچانے کا صحیح راستہ یہ نہیں ہے۔ تاہم اگر لوگوں کے موجودہ جمود اور ان کے انکار کی سختی پر تم سے صبر نہیں ہوتا اور تمہیں گمان ہے کہ اس جمود کو توڑنے کے لیے کسی محسوس نشانی کا مشاہدہ کرانا ضروری ہے تم خود زور لگاؤ اور تمہارا کچھ بس چلتا ہو تو زمین میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر کوئی ایسا معجزہ لانے کی کوشش کرو جسے تم سمجھو کہ یہ بے یقینی کو یقین میں تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہوگا۔ مگر ہم سے امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری یہ خواہش پوری کریں گے کیونکہ ہماری اسکیم میں اس تدبیر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے“۔

(۲) ”یعنی اگر صرف یہی بات مطلوب ہوتی کہ تمام انسان کسی نہ کسی طور پر راست رو بن جائیں تو نبی بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے اور مومنوں سے کفار کے مقابلہ میں جدوجہد کرانے اور دعوتِ حق کو تدریجی تحریک کی منزلوں سے گزروانے کی حاجت ہی کیا تھی؟ یہ کام تو اللہ کے ایک ہی تخلیقی اشارہ سے انجام پا سکتا تھا لیکن اللہ اس کام کو اس طریقہ پر کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا منشا ء تو یہ ہے کہ حق کو دلائل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ پھر ان میں سے جو لوگ فکرِ صحیح سے کام لے کر حق کو پہچان لیں وہ اپنے آزادانہ اختیار سے اُس پر ایمان لائیں۔ اپنی سیرتوں کو اس کے سانچے میں ڈھال کر باطل پرستوں کے مقابلہ میں اپنا اخلاقی تفوق ثابت کریں۔ انسانوں کے مجموعہ میں سے صالح عناصر کو اپنے طاقتور استدلال، اپنے بلند نصب العین، اپنے بہتر اصولِ زندگی اور اپنی پاکیزہ سیرت کی کشش سے اپنی طرف کھینچتے چلے جائیں اور باطل پرستوں کے خلاف پیہم جدوجہد کر کے فطری ارتقاء کی راہ سے اقامتِ دینِ حق کی منزل تک پہنچیں۔ اللہ اس کام میں ان کی رہنمائی کرے گا اور جس مرحلہ پر جیسی مدد اللہ سے پانے کا وہ اپنے آپ کو مستحق بنائیں گے وہ مدد بھی انہیں دیتا چلا جائے گا لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ اس فطری

راستے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ محض اپنی قدرت قاہرہ کے زور سے افکار فاسدہ کو مٹا کر لوگوں میں فکرِ صالح پھیلا دے اور تمدنِ فاسد کو نیست و نابود کر کے مدنیت صالحہ تعمیر کر دے تو ایسا ہرگز نہ ہو گا کیونکہ یہ اللہ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اس نے انسان کو دنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے، اسے تصرف کے اختیارات دیے ہیں، اطاعت وعصیان کی آزادی بخشی ہے، امتحان کی مہلت عطا کی ہے اور اس کی سعی کے مطابق جزا اور سزا دینے کے لیے فیصلہ کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے"۔(تفہیم القرآن۔جلد اول۔صفحہ نمبر ۵۳۵۔۵۳۶)۔

مودودی صاحب تو اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اس لئے انکی جماعت کے افراد ہی اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ آخر وہ کیا مجبوری تھی جس کے تحت اللہ تعالی نے اپنا طریقہ کار بدل ڈالا جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ مودودی صاحب نے تفہیم القرآن کے متعدد مقامات پر ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ کو معجزات دیے گئے تھے۔تراجم اور تفاسیر میں قرآن کریم کی عمومی تعلیمات کو مدنظر نہ رکھنے سے ایسے واضح تضادات پیدا ہونا لازمی ہیں۔

۵۔ احادیث رسول ﷺ ہو سکتی ہیں۔

بخاری میں بعض روایات ایسی آئی ہیں جو لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہو سکتے ہیں۔ کوئی انسان یہ حق حاصل نہیں رکھتا کہ وہ کسی قول کے بارے میں فیصلہ کرے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہیں۔ البتہ قرآن کریم کو معیار بناتے ہوئے یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب کوئی قول یکسر رد کر دیا جائے۔ آپؐ کا کوئی عمل خلاف قرآن ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا یہ سوال کہ جن روایات میں رسول اللہ ﷺ کا قول یا عمل قرآن کے مطابق ہے اسے اس معیار کے مطابق پرکھ کر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ انکا قول یا عمل ہوسکتا ہے لیکن کیا فی الواقع وہ رسول اللہ ﷺ کا لفظ بلفظ قول ہے آج یہ کہنا ممکن ہے۔

اس طرح کی روایات کی تعداد بخاری میں ۱۱۲ ہے۔ ان کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

آدم بن ابی ایاس، شعبہ، عبداللہ بن ابی السفر واسماعیل، شعبی، عبداللہ بن عمرو نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔ بخاری نے کہا، کہ ابو معاویہ بروایت داؤد، عامر، عبداللہ، نبی ﷺ سے روایت کیا اور عبدالاعلیٰ نے بروایت داؤد، عامر، عبداللہ، نبی ﷺ سے روایت کیا۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۹۔ صفحہ نمبر ۹۱۔ کتاب الایمان)

عبداللہ بن یوسف، مالک، ابوالزناد، اعرج، ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے ایک شخص کا رسی لینا اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے پاس آکر کچھ مانگے اور وہ اسے دے یا نہ دے۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۱۳۷۸۔ صفحہ نمبر ۵۵۰۔ کتاب الزکاۃ)

آدم بن ابی ایاس، ابن ابی ذئب، سعید مقبری اپنے والد سے وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جلد اول۔ روایت نمبر ۱۷۷۵۔ صفحہ نمبر ۶۷۸۔ کتاب الصوم)

محمد بن علاء، حماد بن اسامہ، یزید، ابو بردہ، ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اشعر قبیلہ کے لوگ جب جہاد میں ضرورت مند ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے بچوں کی خوراک کم ہو جاتی ہے تو جو کچھ ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے اس کو ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں پھر آپس میں ایک برتن سے برابر تقسیم کر لیتے ہیں وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۲۳۱۱۔ صفحہ نمبر ۸۵۸۔ الشرکۃ فی الطعام)

احمد بن یونس، لیث، نافع، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ کو کسی جہاد میں ایک مقتولہ عورت ملی تو آپؐ نے بچوں اور عورتوں کے قتل کو منع کیا۔

(جلد دوم ۔ روایت نمبر ۲۶۶۔ صفحہ نمبر ۱۳۲۔ کتاب الجہاد والسیر)

ابو نعیم، سفیان، علقمۃ بن مرثد، ابو عبدالرحمٰن سلمٰی، حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں وہ شخص سب سے افضل ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

(جلد سوم ۔ روایت نمبر ۲۰۔ صفحہ نمبر ۵۶۔ کتاب التفسیر)

ابو نعیم، زکریا، عامر، نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے پر مہربانی کرنے اور دوستی وشفقت میں مومنوں کو ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔

(جلد سوم ۔ روایت نمبر ۹۵۰۔ صفحہ نمبر ۳۶۴۔ کتاب الآداب)

عثمان بن ابی شیبہ، جریر، منصور، ابو وائل، عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف راہ دکھاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے، اور جھوٹ بدکاری کی طرف اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تبارک وتعالٰی کے ہاں کاذبین میں لکھا جاتا ہے۔

(جلد سوم ۔ روایت نمبر ۱۰۲۷، صفحہ نمبر ۳۹۰۔ کتاب الآداب)

احمد بن یونس، ابو بکر، ابوحصین، ابو صالح، ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، مال واسباب کی کثرت کے سبب سے تونگری نہیں ہے، بلکہ تونگری اصل میں دل کی تونگری ہے۔

(جلد سوم ۔ روایت نمبر ۱۳۶۶۔ صفحہ نمبر ۵۱۰۔ کتاب الرقاق)

علی بن مسلم، عبدالصمد، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، (ابن عمرؓ کے غلام آزاد کردہ) اپنے والد سے، وہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ بدترین افتراپردازی یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو اس نے نہ دیکھی ہو۔

(جلد سوم ۔ روایت نمبر ۱۹۲۶۔ صفحہ نمبر ۷۲۳۔ کتاب الرؤیا)

۶۔ وہ روایات جو تاریخی واقعات ہیں

روایات کی ایک قسم وہ ہے جس میں جو کچھ بیان ہوا ہے اسے حدیث نبوی ﷺ تو نہیں کہا جا سکتا البتہ ایسی روایات کو تاریخی واقعات کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ ان واقعات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آج بھی ہم ویسے ہی کریں۔ اصل میں جس چیز کا اتباع کرنا ضروری ہے وہ قرآن کریم ہے۔

اس طرح کی روایات کی بخاری میں تعداد ۹۴ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

محمد بن مقاتل ابو الحسن، عبداللہ، شعبہ، قتادہ، انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک خط (شاہ روم یا شاہ ایران کو) لکھایا لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ سے یہ کہا گیا کہ وہ لوگ بے مہر کا خط نہیں پڑھتے، لہٰذا آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اس میں (محمد رسول اللہ) کندہ تھا (انس کہتے ہیں، اس انگوٹھی کی سجاوٹ میرے دل میں کھب گئی، کہ) گویا مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اسوقت بھی میری نظر کے سامنے آپ کی انگلی میں چمک رہی ہے، (شعبہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ) میں نے قتادہ سے کہا کہ یہ (آپ سے) کس نے کہا کہ اس میں (محمد رسول اللہ) کندہ تھا؟ وہ بولے انس نے (کہا)۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۶۵۔ صفحہ نمبر ۱۱۵۔ کتاب العلم)

محمد، سفیان بن عیینہ، ابو حازم سے روایت ہے کہ سہل بن سعد ساعدی سے لوگوں نے پوچھا تھا (اور میں بھی وہاں موجود سن رہا تھا) کہ کس چیز سے نبی ﷺ کے زخم کا علاج کیا گیا تو وہ بولے کہ اس کا جاننے والا مجھ سے زیادہ (اب) کوئی باقی نہیں رہا، علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے آتے تھے اور فاطمہؓ آپ کے چہرے سے خون دھوتی تھیں پھر ایک چٹائی لے کر جلائی گئی اور آپ کے زخم میں بھر دی گئی۔
(جلد اول۔ روایت نمبر ۲۳۹۔ صفحہ نمبر ۱۷۴۔ کتاب الوضو)

ابراہیم بن حارث، یحییٰ بن ابی بکیر، زہیر بن معاویہ، جعفی، ابو اسحاق، عمر بن حارث رسول اللہ ﷺ نے نسبتی بھائی یعنی ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث کے بھائی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کوئی درہم نہ چھوڑا اور نہ کوئی غلام اور نہ کوئی لونڈی اور نہ کوئی چیز سوائے اپنے سفید خچر اور اسلحہ اور ایک زمین کے قطعہ کے جس کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ کر دیا تھا۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۱۲۔ صفحہ نمبر ۳۹۔ کتاب الوصایا)

علی بن عبداللہ، بشر بن مفضل، خالد بن ذکوان، ربیع بنت معوذ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاتے تھے اور پانی پلاتے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے اور زخمیوں اور مقتولوں کو اٹھا کے مدینہ لاتے تھے۔
(جلد دوم۔ روایت نمبر ۱۴۵۔ صفحہ نمبر ۸۷۔ کتاب الجہاد والسیر)

ابوالیمان، شعیب، زہری، سنان بن ابی سنان دؤلی و ابوسلمہ، جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جہاد کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نجد کا سفر کیا، جب آنحضرت ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی آپ کے ہمراہ لوٹے۔ ان لوگوں نے

دوپہر ایسے جنگل میں گزاری جس میں گھنے اور سایہ دار درخت تھے جہاں آنحضرتؐ نے پڑاؤ کیا۔ تمام لوگ درختوں کے نیچے اترے اور آپ نے اپنی تلوار اس میں لٹکادی۔ ہم لوگ تھوڑی دیر ہی سوئے تھے کہ یکا یک رسول اللہ نے ہمیں پکارا، اور ایک اعرابی آپ کے پاس ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس شخص نے مجھ پر تلوار کھینچی تھی۔ میں سو رہا تھا پھر میں جاگ اٹھا، ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے کہا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا، میں نے تین مرتبہ اللہ اللہ کہا۔ آپ نے اس سے بدلہ نہیں لیا اور وہ بیٹھ گیا۔

(جلد دوم۔ روایت نمبر ۱۷۰۔ صفحہ نمبر ۹۷۔ کتاب السیر والجہاد)

یحییٰ بن بکیر، مالک، اسحاق بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں (انس) رسالت مآب ﷺ کے ساتھ جارہا تھا اور اس وقت آپؐ چوڑے حاشیہ کی ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے تو ایک اعرابی نے آپؐ کو زور سے کھینچا، اور میں نے دیکھا کہ اس اعرابی کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپؐ کی گردن پر چادر کے کنارے کا نشان پڑ گیا تھا، اور اس بدو نے کہا کہ مجھے بھی آپؐ اللہ کے اس مال میں سے جو آپؐ کے پاس ہے کچھ دلوا دیجئے تو رسالت مآب ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کچھ دے دینے کا حکم دیا۔

(جلد دوم۔ روایت نمبر ۳۸۹۔ صفحہ نمبر ۱۸۹۔ کتاب السیر والجہاد)

عصام، حریز بن عثمان سے بیان کرتے ہیں انہوں کے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت عبداللہ بن بسر سے دریافت کیا، بتلایئے کیا رسول اللہ ﷺ بوڑھے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں، صرف آپ کی ٹھوڑی کے کچھ بال سفید ہو گئے تھے۔

(جلد دوم۔ روایت نمبر ۷۵۸۔ صفحہ نمبر ۳۴۲۔ کتاب الانبیاء)

ابوالیمان، شعیب، زہری، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے تو اس وقت آپ کو جرہ (ایک خاص قسم کی چادر کا نام ہے) اڑھائی گئی تھی۔ (جلد سوم۔ روایت نمبر ۷۶۰۔ صفحہ نمبر ۳۱۱۔ کتاب اللباس)

ابو معمر، عبدالوارث، عبدالعزیز بن صہیب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی اور فرمایا کہ ہم نے اس پر نقش کندہ کرایا ہے، دوسرا کوئی شخص انگوٹھی پر نقش کندہ نہ کرائے۔ راوی کا بیان کہ میں اس کی چمک آپ کی چھنگیا میں دیکھ رہا ہوں۔

(جلد سوم۔ روایت نمبر ۸۱۹۔ صفحہ نمبر ۳۲۹۔ کتاب اللباس)

موسیٰ بن اسماعیل، سلام بن مسکین، ثابت، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت کی تو آپ نے مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ کیوں تو نے ایسا کیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ کیوں تو نے ایسا نہیں کیا؟

(جلد سوم۔ روایت نمبر ۹۷۵۔ صفحہ نمبر ۳۷۲۔ کتاب الآداب)

۷۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر حرف آتا ہے

بخاری میں کچھ روایات ایسی ہیں جنہیں اگر صحیح مان لیا جائے تو رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک کے بارے میں بہت برے تاثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نہ معلوم ایسی روایات احادیث کے مجموعوں میں کیسے شامل ہو گئیں؟ ان کے بارے میں احسن طریقہ کار یہی ہو سکتا ہے کہ انہیں صحیح تسلیم نہ کیا جائے لیکن حیرت ہوتی ہے ان مذہبی رہنماؤں پر جو محض روایات کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے ان کی عجیب وغریب تاویلات کر کے انکے منفی تاثرات کو مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کیسے ہیں یہ عاشقین رسولؐ؟ جنہیں روایات اتنی عزیز ہیں کہ انہیں اس عظیم ہستی ﷺ کی ناموس پر حرف آنا تو قبول ہے لیکن جامعین حدیث (جو کسی صورت رسول کریمؐ سے بہتر نہیں ہو سکتے) کی کسی کوتاہی کو تسلیم کرنا گوارا نہیں۔ دراصل یہ انکی بقا کا مسئلہ ہے کیونکہ روایات کے بغیر کسی اسلامی معاشرے میں انکے وجود کا جواز ہی نہیں بنتا۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں کوئی پیشہ ور مذہبی رہنما نہیں تھا۔ یہ تو اس ملوکیت کے دور کی پیداوار ہیں جس میں روایات اکٹھی کرنے کا رواج شروع ہوا۔

اسلام کے خلاف جس قدر پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اس میں قرآن کریم کے حوالے سے شاید ہی کوئی اعتراض کیا گیا ہو سوائے اس کہ کہ یہ کتاب خود رسول اللہؐ کی تحریر کردہ ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ لیکن اسلام کے خلاف سارے کا سارا مواد انہیں ہماری کتب روایات اور کتب تاریخ سے ہی ملتا ہے۔

بخاری میں ۱۶۷ ایسی روایات ہیں جن میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے بارے میں منفی تاثر ملتا ہے۔ ان میں بہت سی روایات ایسی ہیں جو شرمناک ہیں۔ اس طرح کی روایات کو اس کتاب میں اس لئے درج نہیں کر رہا کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ میری بیٹیاں یا بہنیں انہیں پڑھ سکیں۔ چند مثالیں وہ پیش کر رہا ہوں جن میں فحاشی نہیں:

سلیمان بن حرب، حماد بن زید، ایوب، ابی قلابہ، انسؓ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ عکل کے یا عرینہ کے آئے، مگر وہ مدینہ میں بیمار ہو گئے تو آپؐ نے انہیں صدقہ کے اونٹوں میں سے لے جانے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ لوگ ان کا پیشاب اور انکا دودھ پئیں، چنانچہ وہ (جنگل میں) چلے گئے (اور ایسا ہی کیا) جب اچھے ہو گئے تو نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور جانوروں کو ہانک لے گئے ابتداء دن ہی میں (یہ) خبر نبی ﷺ کے پاس آئی، چنانچہ آپؐ نے انکے تعاقب میں آدمی بھیجے اور دن چڑھے وہ (گرفتار کر کے) لائے گئے، آپ نے حکم دیا تو انکے ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالے گئے اور انکی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں اور گرم سنگلاخ پر ڈالدیئے گئے، پانی مانگتے تھے تو انہیں پانی نہیں پلایا جاتا تھا۔ (ابو قلابہؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑے)۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۲۳۰۔ صفحہ نمبر ۱۷۱۔ کتاب الوضوء)

اسماعیل، مالک، ابو النضر (عمر بن عبداللہ کے آزاد کردہ غلام) ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں رسول خدا ﷺ کے آگے لیٹی ہوئی تھی، اور میرے دونوں پیر آپ کے قبلہ (کی جانب) میں ہوتے تھے، جب آپ سجدہ کرتے تھے تو مجھے دبا دیتے تھے، میں اپنے پیر سکوڑ لیتی تھی اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تھے تو میں انہیں پھیلا دیتی تھی، عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت تک گھروں میں چراغ نہ تھے۔

اس سے اگلی روایت میں ہے:

یحیٰ بن بکیر،لیث،عقیل،ابن شہاب،عروہ،حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ رسول خداﷺ نماز پڑھتے ہوتے تھے اور وہ آپ کے اور قبلہ کے درمیاں آپؐ کے گھر کے فرش پر جنازہ کی مثل لیٹی ہوتی تھیں۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۴۷۲اور ۴۷۳صفحہ نمبر ۲۲۰۔۲۲۱ کتاب الوضوء)

عبداللہ بن یوسف،مالک،ابوالزناد،اعرج،ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول خداﷺ نے فرمایا، کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ (اولاً) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں،(اس کے بعد) حکم دوں کہ عشاء کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے،اور میں (خود) کچھ (لوگوں کو ہمراہ لے کر) ایسے لوگوں کے گھروں تک پہنچوں (جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں،قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ان میں کسی کو یہ معلوم ہو جائے، کہ وہ فربہ ہڈی یا دو عمدہ گوشت والی ہڈیاں پائے گا تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۶۱۳۔صفحہ نمبر ۲۹۶۔ کتاب الاذان)

علی بن حسن،عبداللہ،ابن عون بیان کرتے ہیں،میں نے نافع کو لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نبیﷺ نے بنی مطلق پر حملہ کیا اور وہ غافل تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جارہا تھا۔ان میں جو لڑنے والے تھے ان کو قتل کردیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا،جویریہ بھی اسی دن قیدی ہوئی تھیں،نافع کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بیان کیا اور وہ اس لشکر میں موجود تھے۔
(جلد اول۔روایت نمبر ۲۳۶۱۔صفحہ نمبر ۸۷۵۔ کتاب العتق)

۸۔ صحابہ کرامؓ پر حرف آتا ہے

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابیوںؓ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ 'مومنون حقاً' ہیں۔ جبکہ بخاری کی روایات سے پتہ چلتا ہے ان میں بہت سی خامیاں تھیں اور بعض معاملات میں بالکل آجکل کے لوگوں کی طرح تھے۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کو ہی صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ چاہے بخاری کی روایات اس برعکس کیوں نہ ہوں۔ اس مجموعہ میں ۳۱ روایات ایسی ہیں جو صحابہ کرامؓ کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتیں۔ مثال کے طور پر:

یحییٰ بن سلیمان، ابن وہب، یونس، ابن شہاب، عبیداللہ بن عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کے مرض میں شدت ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس لکھنے کی چیزیں لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ عمرؓ نے کہا کہ نبی ﷺ پر مرض غالب ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے وہ ہمیں کافی ہے۔ پھر صحابہ نے اختلاف کیا یہانتک کہ شور بہت ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور میرے پاس تم کو جھگڑنا نہیں چاہیے (یہانتک بیان کرکے ابن عباسؓ (اپنی جگہ سے) یہ کہتے ہوئے باہر آگئے کہ بیشک مصیبت (ہے) اور بڑی (سخت) مصیبت رسول خدا ﷺ کی تحریر کے درمیان میں یہ چیز حائل ہوگئی۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۱۱۴۔ صفحہ نمبر ۱۳۴۔ کتاب العلم)

عبدالعزیز بن عبداللہ، ابراہیم بن سعد، صالح، ابن شہاب عروہ بن زبیرؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے گذارش کی کہ رسالت مآب ﷺ کے اس ترکہ میں سے جو اللہ تعالیٰ نے سرکار دوعالمؐ کو بطور فے عنایت فرمایا تھا ان کا حصہ دے دیں تو صدیق اکبرؓ نے ان کو جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما گئے ہیں کہ ہمارے مال میں عمل میراث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ اس پر حضرت فاطمہ ناخوش سی ہوئیں (یہاں ترجمے میں نرمی برتی گئی ہے۔ عربی میں ہے فغضبت یعنی سخت ناراض ہوئیں۔ راقم) اور اپنی وفات تک صدیق اکبرؓ سے گفتگو نہ کی اور رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد آپ چھ ماہ تک زندہ رہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جناب فاطمہؓ نے صدیق اکبرؓ سے اپنا حصہ رسول اللہؐ کے مال متروکہ خیبر وفدک میں سے اور اس مال صدقہ میں سے جو مدینہ منورہ میں موجود تھا طلب کیا تو صدیق اکبرؓ نے اس کے دینے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ اس میں تصرف فرمایا ہے میں اس میں سے آپؐ کے کسی عمل کو ترک نہیں کرسکتا، میں ڈرتا ہوں کہ اگر رسالت مآب کے طریقہء عمل سے کچھ بھی ترک کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا سرور عالم کا مال موقوفہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو دے دیا تھا لیکن خیبر اور فدک اپنی نگرانی میں رکھا اور کہا کہ یہ رسالت مآبؐ کا وقف ہے اور آپؐ نے ان دونوں کو ان مصارف وضروریات کے لیے رکھا ہے جو درپیش ہوتے رہتے تھے، اور ان کے انتظام کا اختیار خلیفہء وقت کو دیا تھا، امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ دونوں آج کی تاریخ تک اپنی سی حالت و کیفیت میں بطور وقف موجود ہیں۔

(جلد دوم۔ روایت نمبر ۳۳۵۔ صفحہ نمبر ۱۶۱، ۱۶۲ کتاب الجہاد والسیر)

محمود، عبدالرزاق، معمر (دوسری سند) نعیم، عبداللہ، معمر زہری، سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو بنوجذیمہ کیطرف روانہ کیا، خالدؓ نے انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے یہ دعوت تو قبول کرلی مگر اپنی زبان سے انہوں نے ''ہم مسلمان ہوگئے'' کہنے کو اچھا نہ سمجھا، تو یوں کہنے لگے کہ ''ہم نے اپنا دین چھوڑا'' مگر

حضرت خالدؓ انہیں قتل وقید کرنے لگے اور قیدیوں کو ہم میں سے ہر ایک کے حوالے کر دیا، ایک دن حضرت خالدؓ نے ہمیں اپنے اپنے قیدی قتل کر دینے کا حکم دیا تو میں نے کہا، خدا کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو اور نہ میرے ساتھی اپنے اپنے قیدیوں کو قتل کریں گے یہاں تک کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا، اے اللہ میں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں۔

(جلد دوم۔روایت نمبر ۱۴۷۰۔ صفحہ نمبر ۶۵۱۔ کتاب المغازی)

ابراہیم بن موسیٰ، ہشام بن یوسف، ابن جریج، ابن ابی ملیکہ، حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے سوار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو ابوبکرؓ نے عرض کیا ان کا امیر قعقاع بن معبد زرارہ کو مقرر فرما دیں، عمرؓ نے عرض کیا نہیں بلکہ اقرع بن حابس کو بنائیں تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا تم ہمیشہ مجھ سے اختلاف کرتے ہو حضرت عمرؓ نے کہا، میں آپ سے اختلاف کا قصد نہیں کرتا دونوں میں تکرار ہوئی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش قدمی نہ کرو، آخر تک۔

(جلد دوم۔روایت نمبر ۱۴۹۵۔ صفحہ نمبر ۶۶۴۔ کتاب المغازی)

۹۔ انبیاء کرام کے بارے میں

بخاری میں (۸) ایسی روایات ہیں جن میں انبیاء کے بارے میں عجیب وغریب باتیں لکھی گئی ہیں اور جو نبیوں کے شایان شان نہیں ہیں۔ افسوس ہوتا ہے جب روایت پسند لوگ ان کی طرح طرح سے توجیہ پیش کرتے ہیں لیکن انہیں رد کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ ملاحظہ کیجیے۔

اسحٰق بن نصر عبدالرزاق، معمر، ہمام بن منبہ، ابوہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل برہنہ غسل کیا کرتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کیا کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ موسیٰ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ وہ فتق میں مبتلا ہیں۔ اتفاق سے ایک دن موسیٰ غسل کرنے لگے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا وہ پتھر انکا لباس لے کر بھاگا اور حضرت موسیٰ بھی ان تعاقب میں یہ کہتے دوڑے کہ ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر (اے پتھر میرے کپڑے دیدے اے پتھر میرے کپڑے دیدے) یہاںتک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کو دیکھ لیا اور کہا کہ واللہ! موسیٰ کو کچھ بیماری نہیں ہے تب (پتھر ٹھہر گیا) موسیٰ نے اپنا لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! (حضرت موسیٰ کی) مار سے (اس) پتھر پر چھ یا سات نشان (اب تک باقی) ہیں اور اسی سند سے حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (ایک دن حضرت) ایوبؑ برہنہ نہا رہے تھے، ان پر سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں تو ایوب ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے، انہیں ان کے پروردگار نے آواز دی کہ اے ایوبؑ! کیا میں نے تمہیں اس (سونے کی ٹڈی) سے جو تم دیکھ رہے ہو بے نیاز نہیں کر دیا تو انہوں نے کہا، ہاں! تیری بندگی کی قسم! (تو نے مجھے بے نیاز کر دیا ہے) لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں ہو سکتی اور اس کو ابراہیم نے بواسطہ موسیٰ بن عقبہ صفوان عطاء بن یسار ابوہریرہ نبی ﷺ سے روایت کیا کہ بینا ایوب یغتسل عریاناً۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۲۷۲۔ صفحہ نمبر ۱۸۴۔ کتاب الغسل)

محمود، عبدالرزاق، معمر، ابن طاؤس اپنے والد سے وہ ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس فرشتہء موت بھیجا گیا جب انکے پاس فرشتہ پہنچا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے طمانچہ مارا وہ اپنے پروردگار کے پاس گیا اور عرض کیا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے اس فرشتے کو بینائی عطا کی اور فرمایا جاؤ اور ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھیں اور اس کے ہر بال کے عوض جن پر انکا ہاتھ پڑیگا ایک سال عمر عطا کی جائیگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار اسکے بعد کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا پھر موت آئیگی، حضرت موسیٰ نے عرض کی تو پھر ابھی آجائے اور اللہ سے درخواست کی کہ انکو ایک پتھر پھینکنے کے مقدار ارض مقدس سے قریب کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو انکی قبر راستے کی طرف سرخ ٹیلے کے پاس دکھاتا۔

(جلد اول۔ روایت نمبر ۱۲۵۲۔ صفحہ نمبر ۵۰۴۔ کتاب الجنائز)

محمد بن محبوب، حماد بن زید، ایوب، محمد، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مرتبہ (ظاہری) جھوٹ بولا ہے۔ (ظاہری کی اصطلاح مترجم کی ہے۔ جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ راقم) دو تو خدا کے واسطے، ان کا یہ قول کہ ''میں بیمار ہوں'' اور ''یہ تو ان کے بڑے بت نے کیا ہے'' (یہ تو خدا کے لئے اور ایک اپنے لئے یہ کہ) فرمایا،

ایک مرتبہ ابراہیم اور ان کی زوجہ سارہ سفر کرتے ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں سے گذرے، کسی نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے جس کیساتھ ایک نہایت خوبصورت عورت ہے اس ظالم نے اس کے پاس آدمی بھیج کر سارہ کے متعلق پوچھا یہ کون ہے؟ تو ابراہیم نے کہہ دیا میری (دینی) بہن ہے۔(دینی کا اضافہ مترجم نے کیا ہے۔راقم) پھر ابراہیم سارہ کے پاس آئے اور کہا اے سارہ روئے زمین پر میرے اور تیرے علاوہ کوئی مومن نہیں، اس ظالم نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہہ دیا یہ میری بہن ہے لہذا مجھے جھوٹا نہ کرنا۔ اس ظالم نے سارہ کو بلوا بھیجا، جب سارہ اس کے پاس پہنچیں تو وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا، فوراً منجانب اللہ اس کی گرفت ہو گئی (اگر وہ انکو اپنی بہن نہ کہتے تو گرفت نہ ہوتی؟۔راقم) اس نے سارہ سے کہا میرے لئے اللہ سے دعا کرو میں تمہیں پھر کچھ ضرر نہ پہنچاؤنگا۔ انہوں نے دعا کی وہ اچھا ہو گیا پھر دوسری مرتبہ اس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر اسی طرح پکڑلیا گیا بلکہ اس سے بھی سخت۔ اس نے کہا، میرے لئے اللہ سے دعا کرو میں تمہیں بالکل ضرر نہ پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ اچھا ہو گیا پھر بادشاہ نے اپنے کسی دربان کو بلا کر کہا کہ تم میرے پاس انسان نہیں لائے بلکہ شیطان کو لائے ہو۔ پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ کو دیا۔ سارہ ابراہیم کے پاس آئیں تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ سارہ نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے کافر کا فریب اسی کے سینہ میں لوٹا دیا اور ہاجرہ کو خدمت کے لئے دیا۔ ابوہریرہ کہتے تھے کہ اسماء کے بیٹو! یہی تمہاری ماں ہے۔

جلد دوم۔ روایت نمبر ۵۸۴۔ صفحہ نمبر ۲۶۶۔ کتاب الانبیاء)

عبدالعزیز بن عبداللہ، ابراہیم بن سعد، ابن شہاب، حمید بن عبدالرحمٰن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا، موسیٰ نے آدمؑ سے (خدا کے یہاں) بحث کی، موسیٰ نے کہا تو وہی آدمی ہو جس کی لغزش نے اسے جنت سے نکلوایا، آدمؑ نے کہا تم وہ موسیٰ ہو جسے اللہ نے اپنی رسالت اور کلام کے لئے منتخب کیا پھر بھی تم مجھے ایسی بات پر جو میری پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکی تھی ملامت کرتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا، کہ آدمؑ موسیٰ پر اس بحث میں غالب آ گئے۔

(جلد دوم۔ روایت نمبر ۶۳۳۔ صفحہ نمبر ۲۹۴۔ کتاب الانبیاء)

نہ معلوم زیب داستان کے لئے گھڑی گئی ایسی روایات کا مقصد کیا تھا؟ لیکن یہ کوئی نیک مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا کہ انبیاء کرام کے متعلق فضول کی باتیں کی جائیں۔ اس سے زیادہ ظلم یہ ہے کہ انکو منسوب کر دیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک سے۔

یونہی علامہ اقبال نے نہیں کہا تھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی　　　　یہ امت روایات میں کھو گئی

۱۰۔ قرآن کریم سے مختلف آیات

بخاری میں (۴) روایات ایسی آئی ہیں کہ اگر انہیں صحیح مان لیا جائے تو قرآن کریم کی حفاظت کے بارے میں تمام دلائل رد ہو جاتے ہیں اور یہ تسلیم کرنا ممکن ہی نہیں رہتا کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ نہ معلوم روایت پسند حضرات ان روایات کے متعلق کیا توجیہ پیش کرتے ہیں؟

ملاحظہ کیجئے:

قیس بن حفص، عبدالواحد، اعمش، سلیمان بن مہران، ابراہیم علقمہ، عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور آپ کھجور کی ایک چھڑی کو زمین پر ٹکا کر چلتے تھے کہ یہود کے کچھ لوگوں پر آپ گذرے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ سے روح کی بابت سوال کرو، اس پر بعض نے کہا کہ نہ پوچھو مبادا اس میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں جو تم پر بری ہو پھر بعض نے کہا کہ ہم ضرور آپ سے پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ نے سکوت فرمایا (ابن مسعود کہتے ہیں) میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ آپ پر وحی آ رہی ہے لہذا میں کھڑا ہو گیا۔ پھر جب وہ حالت آپ سے دور ہوئی تو آپ نے فرمایا (ترجمہ) (اے نبی) یہ لوگ تم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوئی) ہے اور اس کی اصل حقیقت تم نہیں جان سکتے کیونکہ تمہیں کم ہی علم دیا گیا ہے۔ اعمش کہتے ہیں ہماری قرات میں ''وما اوتوا'' ہے (ما اوتیتم نہیں ہے)۔
(جلد اول ۔ روایت نمبر ۱۲۵۔ صفحہ نمبر ۱۴۰۔ کتاب العلم)

عمر، عمر کے والد اعمش، ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ کے ساتھی ابو الدرداء کے پاس گئے، ابو الدرداء انہیں تلاش کرتے ہوئے انکے پاس پہنچے اور کہا کہ تم میں سے کون عبداللہ کی قرات کے مطابق پڑھتا ہے؟ لوگوں نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے پوچھا ''واللیل اذا یغشیٰ'' کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا علقمہ نے کہا ''والذکر والانثیٰ '' ابوالدرداء نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ لوگ (شام والے) چاہتے ہیں کہ میں '' وما خلق الذکر والانثیٰ '' پڑھوں ۔ خدا کی قسم میں ان لوگوں کی پیروی نہیں کروں گا ۔ اللہ کا فرمان پس جس شخص نے دیا اور پرہیز گاری کی ۔
(جلد دوم ۔ روایت نمبر ۲۰۵۴۔ صفحہ نمبر ۹۷۰۔ کتاب التفسیر)

ابوالدرداء کی بات کو صحیح مان لیا جائے تو قرآن کریم غلط ثابت ہو جاتا ہے ۔

سابق الذکر روایت کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب مختلف صحابیوں کے اقوال ہیں ۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس چھان پھٹک کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ بخاری میں شامل کی جانے والی ہر روایت کی اچھی طرح چھان بین کرلی گئی تھی تو پھر اس میں اس طرح کی روایات کیسے داخل ہو گئیں اور پھر جن راویوں نے اسطرح کی روایات بیان کیں انکی بیان کردہ دوسری روایات

ثقہ کیسے ہو گئیں۔

۱۱۔ متفرقات

۱۔ بخاری میں متضاد روایات بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں۔ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں:

محمد بن ابان، غندر، شعبہ، ابو التیاح، حمران بن ابان، معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو، جو کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی صحبت اٹھانے کے باوجود آپؐ کو اسے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور یقیناً آپؐ نے اس سے ممانعت فرمائی۔یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں۔
(جلد اول۔روایت ۵۵۷۔صفحہ نمبر ۲۷۹۔ کتاب مواقیت الصلاۃ)

مسدد، یحیٰ، ہشام، عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! نبی ﷺ عصر کے بعد دو رکعتیں میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔
جلد اول۔روایت نمبر ۵۶۱۔صفحہ نمبر ۲۸۰۔ کتاب مواقیت الصلاۃ)

پہلی اور دوسری، دونوں روایتوں کی تائید میں مزید تین تین روایتیں آئی ہیں۔

یہ روایت پانچ مرتبہ مختلف راویوں سے بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔
(جلد اول۔روایات نمبر ۱۱۳تا۱۱۶۔ کتاب الجہاد والسیر)

اسی باب کی روایت نمبر ۱۲۲ اور ۱۲۳ میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے گھوڑے میں، عورت میں، اور گھر میں۔
اس روایت کا مقصد یا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

متضاد روایات کی موجودگی سے یہ دلیل بے معنی رہ جاتی ہے کہ روایات کو بہت تحقیق اور چھان بین کرنے کے بعد جمع کیا گیا ہے۔

۲۔ بخاری کے ابواب کس لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں اسکا طریقہ کار عجیب معلوم ہوتا ہے۔ان ابواب میں متعدد روایات ایسی ہیں جنکا کوئی بھی تعلق باب کے عنوان سے نظر نہیں آتا۔صرف اس کتاب میں دی گئی روایات کا جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ اکثر روایات موضوع کے لحاظ سے اس باب سے متعلق معلوم نہیں ہوتیں۔اس وجہ سے کسی موضوع سے متعلق روایات کو تلاش کرنے میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔اور زیادہ تر حافظہ سے کام لینا پڑھتا ہے یا اپنی یاداشت کیلئے نشانات لگانے پڑتے ہیں۔

حرف آخر:

آخر میں مَیں یہ بات دہرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ زیر نظر کتاب کا مقصد یہ ہے کہ عام قاری کو جو بخاری کی تمام روایات کو نہیں پڑھتا، یہ اندازہ ہو سکے کہ اس مجموعہ میں ہے کیا؟ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کتب روایات پر کسی قسم کی تنقید کرتا ہے تو فوراً یہ فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے کہ یہ منکر حدیث ہے۔ اگرچہ کسی کے ذہن میں منکر حدیث کی تعریف نہیں ہوتی لیکن عام طور پر اس سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا انکار کر رہا ہے۔ اس طرح لوگوں کو اشتعال دلایا جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان بغیر تحقیق کے اس طرح کی الزام تراشی کا انکے پاس کیا جواز ہوتا ہے؟ بات یہ نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کسی قول کا انکار کرتا ہوں۔ ایسا کہنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا عمل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف قرآن کریم کا اتباع کرتے تھے تو اسے انکار حدیث رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ خلاف قرآن کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا واقعی بہت بڑا جرم ہے۔